قد بدت البغضاء من افواههم
وما تخفی صدورهم اکبر قد بینا
لکم الآیات ان کنتم تعقلون

ان کے منہ سے دشمنی تو ظاہر ہو چکی اور جو بغض و کینے ان
کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اگر تم عقل رکھتے
ہو تو ہم نے نشانیوں کو ظاہر کر دیا۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۸)

شانِ علی المرتضیٰؑ میں گستاخی کا مدلل جواب

رشحات قلم

رئیس المحققین
علامہ آفتاب حسین جوادی

ناشر: مرکز مطالعات اسلامی پاکستان

قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم

اکبر قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون

ان کے منہ سے دشمنی تو ظاہر ہو چکی اور جو بغض و کینے ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے نشانیوں کو ظاہر کر دیا۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۸)

شانِ علی المرتضیٰ علیہ السلام میں

گستاخی کا

مدلّل جواب

رشحات قلم

رئیس المحققین

علامہ آفتاب حسین جوادی

ناشر: مرکز مطالعات اسلامی پاکستان

شناخت نامہ

نام : شانِ علی المرتضیٰؑ میں گستاخی کا مدلل جواب

تالیف : رئیس المحققین علامہ آفتاب حسین جوادی

ناشر : مرکزِ مطالعاتِ اسلامی، A-35 سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

صفحات : 56

اشاعتِ دوم : دسمبر 2010ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

قیمت : 70 روپے

ملنے کے پتہ جات:

اسلامک بک سنٹر، C-362، گلی نمبر 12، G-6/2، اسلام آباد۔ موبائل نمبر 0300-9502812

المہدی بک سنٹر، بیرون جامعہ المنتظر، H بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 042-5851823

سید جعفر علی اینڈ سنز، اردو بازار، بھکر۔ فون: 0453-511144

مولانا ابوالحسن حکیمی، جامعہ اہل البیت ایف ۴/۷، ناظم الدین روڈ، اسلام آباد۔ فون: 0345-5118503

مکتبۃ الرضا، غزنی سٹریٹ، میاں مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

محمد علی بک ایجنسی، مسجد امام الصادق، کراچی کمپنی، G-9/2، اسلام آباد

اسلامک بک کارپوریشن، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

بسم سبحانه

حدیث پیامبر اکرم ﷺ

مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَنْتَقِصُوْنَ عَلِیًّا، مَنْ یَنْتَقِصْ عَلِیًّا فَقَدْ تَنَقَّصَ لِی، وَ مَنْ فَارَقَ عَلِیًّا فَقَدْ فَرَقَنِی، اِنَّ عَلِیًّا مِنِّی وَ اَنَا مِنْهُ، خُلِقَ مِنْ طِیْنَتِیْ وَ خُلِقْتُ مِنْ طِیْنَةِ اِبْرَاهِیْمَ وَ اَنَا اَفْضَلُ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ۔

ترجمہ: ان لوگوں کا کیا ہوگا جو علیؑ کی تنقیص کرتے (شان گھٹاتے) ہیں۔ جو بھی علیؑ کی شان گھٹاتا ہے (گستاخی کرتا ہے) وہ میری شان گھٹاتا ہے اور جو علیؑ سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہو گیا۔ بیشک علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اس کی تخلیق میری مٹی سے ہوئی ہے اور میری تخلیق ابراہیمؑ کی مٹی سے اور میں ابراہیمؑ سے افضل ہوں۔

(روایت از حصرت بریدہ اسلمیؓ)

(المعجم الاوسط (امام طبرانی)
جلد ٦، ص ١٦٣۔١٦٢، حدیث نمبر ٦٠٨٥، طبع سعودی عرب)

مندرجات

۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے اسم گرامی کے مصداق تمام تر بلندیوں، رفعتوں، عظمتوں کے باوجود پندرہ صدیاں پہلے کی طرح آج بھی مظلوم ہیں۔

اس وقت کی طرح آج بھی آپؑ کی سب سے بڑی مظلومیت، مسلمانوں کا آپ کو نہ پہچاننا اور ان عظمتوں ورفعتوں کا ادراک نہ کرنا ہے جو پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے آپؑ کے حق میں بیان ہوئیں۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے زمانے میں بھی اس قدر مظلوم تھے کہ خود شکوہ فرماتے رہے کہ لوگوں نے ان کی شخصیت کا موازنہ ایسے افراد سے کرنا شروع کر دیا تھا جن میں گھٹیا انسانوں کی تمام صفات پائی جاتی تھیں۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک؟

پھر عظمتوں کے اس عظیم پیکر کی مظلومیت کا یہ عالم بھی تاریخ نے نقل کیا کہ جب ۲۱ رمضان ۴۰ ہجری کو محراب مسجد میں حملہ کے بعد مظلومانہ شہادت سے ہمکنار ہوئے تو شام کے بعض لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ (نعوذ باللہ) علیؑ کا مسجد میں کیا کام؟ اس سے امیر المومنینؑ کے خلاف صریح بے بنیاد پراپیگنڈہ کی شدت اور بے بصیرت افراد کے اس پراندھادھند یقین وایمان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف ایک گروہ نے اس الٰہی انسان اور حقیقی عبد کی فضیلتوں ورفعتوں کا جزوی مشاہدہ کیا تو اُسے خدا سمجھ بیٹھا (العیاذ باللہ)۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ان دونوں گروہوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا میرے بارے دو قسم کے افراد ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں مبالغہ کرنے والا (خدا سمجھنے والے) دوسرا بغض رکھنے اور گھٹانے والا۔ چنانچہ محقق شیخ خالد بن احمد الصمی بابطین ایک حدیث مبارکہ کی تشریح میں تحریر کرتے ہیں:

دلیل علیٰ ان جفاء اھل البیت کان موجوداً منذحیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ذلک لان الحسد من طبائع البشر الامن عصمہ اللہ فکانوا یحسدون آل البیت الرسول علیہ الصلاۃ والسلام علی ما من اللہ علیھم من قرابۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیجفونھم ولایقومون بحقھم......الخ

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیتؑ کے ساتھ بدسلوکی نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ سے ہی چلی آ رہی تھی اور یہ اس لیے کہ حسد کرنا بشر کی فطرت ہے حسد سے وہی بچتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ پس ان لوگوں نے اہل بیت رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے باعث حسد کیا جو اس نے ان پر نبی کریم ﷺ کی قرابت کی صورت میں فرمایا۔ پس انہوں نے اہل بیتؑ سے روگردانی کی اور ان کے حقوق ادا نہ کیے۔''

(تعلیقات استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوی ج ۱ ص ۳۹۷ طبع مدینہ منورہ)

یہی وجہ ہے کہ جس طرح حُبِّ علیؑ کی نعمت نسل در نسل چلی، اسی طرح بُغضِ علیؑ کی لعنت بھی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی اور ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں تاریخ انسانیت کے اس ملکوتی کردار کی شان گھٹانے کی مذموم کوشش جاری رہی۔ بعض نے عمداً یہ کام کیا اور بعض سادہ لوحوں نے بغیر سوچ و بچار کے علی ابن ابی طالبؑ کی کردار کشی کے ناقابل معافی گناہ میں اپنا حصہ ڈالا بلکہ یہ صورت حال نبی مکرم ﷺ کی زندگی ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ اہل بیت اطہارؑ سے بغض وعناد اور حسد لوگوں کے دلوں میں موجود تھا بسا اوقات بعض مواقع میں اس کا اظہار بھی کر دیتے۔

ارباب علم جانتے ہیں کہ فقط کتب تاریخ ہی نہیں بلکہ اہل سنت کی صحاح ستہ میں نہ صرف یہی ایک روایت بلکہ کثیر تعداد میں ایسی ہی ضعیف روایات پائی جاتی ہیں کہ جن سے نہ فقط اُمہات المؤمنین وجلیل القدر صحابہ کرامؓ کی توہین ہوتی ہے بلکہ ذات گرامی پیغمبر اکرم ﷺ کی بھی تنقیص ثابت ہوتی ہے۔ ایسے گستاخانہ وتوہین آمیز مواد کو کوئی بھی عقلمند کسی چھوٹی محفل میں بھی بیان کرنے کی جرأت نہیں کرتا

چہ جائیکہ کسی بڑے اجتماع یا میڈیا کے لاتعداد سامعین و ناظرین کے سامنے بیان کیا جائے۔ عام مسلمان کو بھی بخوبی معلوم ہے کہ ایسی توہین آمیز روایات دشمنانِ اسلام و منافقین کی کارستانیوں کا نتیجہ ہیں۔

عصرِ حاضر میں ڈاکٹر اسرار احمد نے Q ٹی وی پر ۱۲ جون ۲۰۰۸ء کو ایک ایسے ہی فعل کا ارتکاب کر کے دنیا بھر کے محبانِ نبیؐ و علیؑ کی دل آزاری کی۔ Q ٹی وی کے مذکورہ اہانت آمیز پروگرام کیخلاف وسیع پیمانے پر شدید ردِ عمل ہوا، ملک بھر میں مظاہرے ہوئے جن کا سلسلہ ان سطور کے لکھے جانے تک جاری ہے۔ خیال تھا کہ اسرار احمد اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے خود ہی اس غلط روایت کا اہلِ سنت ہی کی معتبر کتب سے تجزیہ کرتے ہوئے اسے رَد کریں گے اور توہینِ علیؑ و مسلمانوں کی دل آزاری کیلئے معافی مانگیں گے مگر صد افسوس کہ تاحال وہ اپنے مؤقف سے دست بردار نہیں ہوئے۔ چنانچہ ۲۹ جون ۲۰۰۸ء کے نوائے وقت، لاہور میں اُن کی طرف سے نمایاں سرخی میں وضاحت شائع ہوئی جس میں انہوں نے اس امر کا تو برملا اعتراف کیا کہ ''جس مسلمان کے دل میں خانوادہ نبوت کی محبت نہ ہو وہ حقیقی ایمان سے محروم ہے'' نیز یہ کہ ''حضرت عمرؓ کی بجائے اصل شاہکارِ رسالت حضرت علیؓ تھے'' اور ''صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں آنحضرت ﷺ سے کُلی مشابہت رکھنے والے حضرت علیؓ تھے''۔ مگر اس کے باوجود اپنے ٹی وی بیان کے حوالے سے کوئی غلطی یا غلط فہمی تسلیم نہ کی۔ گویا بیان کردہ روایت برسبیل تذکرہ پیش نہیں کی بلکہ اسے درست اور مطابقِ واقعہ تسلیم کرتے ہوئے بیان کیا۔

ع   اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس صورتحال میں ضروری سمجھا گیا کہ عوامی مظاہرے تو جذبات کا اظہار ہیں مگر اس سے کہیں اہم کام خلیفہ راشد حضرت علی علیہ السلام کی ذات پر اس بدترین الزام کا علمی و تحقیقی جائزہ لینا ہے تاکہ حقیقت واضح ہو سکے اور عامۃ المسلمین ایک غلط روایت کے حوالوں کے دھوکہ میں پریشان نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی جمیل کو اپنی بارگاہ معلیٰ میں قبول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

احقر الوریٰ

آفتاب حسین جوادی

تمہید سدید

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مرتبہ و منزلت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرب و تعلق اور ان کے افضل اہل بیت علیہم السلام ہونے کا اعتراف اہل سنت کے اکثر اکابر علماء و فقہاء اور صلحا نے کیا ہے اگر چہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بغض و عداوت کا سلسلہ آقائے دو جہاں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک سے ہی لوگوں کے دلوں میں شروع ہو چکا تھا جو رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مزید ظاہر ہونے لگا۔ البتہ آپؑ کی شان اقدس میں توہین و تنقیص، الزامات اور گستاخیوں کا سلسلہ بھی بنوامیہ و بنوعباس کے ادوار میں شدت اختیار کر گیا جو صدیوں سے تا ہنوز جاری ہے۔

ماضی قریب میں شبلی نعمانی نے اپنی کتاب ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے حضرت علی علیہ السلام پر شراب نوشی کا الزام لگایا۔ بعد ازاں وقتاً فوقتاً دشمنان حیدر کرار علیہ السلام اسی الزام کو دہراتے رہے۔ چنانچہ اسی تسلسل میں دیوبندی مولوی ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۲ جون ۲۰۰۸ء کو QTV پر اپنے بیان میں اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ.........جن کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی صرف اتنی بات پر وہ چھوڑنے والے نہیں تھے لہٰذا شراب چلتی رہی، اب اس کے بعد حکم آیا کہ ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ اس کے پس منظر میں واقعہ بیان ہوتا ہے کہ............ بعض صحابہؓ کے ساتھ شامل ہو کر حضرت علی علیہ السلام نے بھی شراب نوشی کی اور اسی نشہ کی حالت میں نماز مغرب پڑھائی، جس میں نشہ کی وجہ سے قرائت غلط ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت ''لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ'' نازل فرمائی۔ بعد ازاں بطور خاص حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں جسارت کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف کے اس بیان پر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے اور

اضطراب ہوا، ملک بھر میں محبان علی علیہ السلام نے وسیع پیمانے پر مظاہرے کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور ہم نے ہادی ٹی وی پر اس کا مدلل جواب دیا لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر اسرار احمد سے مزید وضاحت کیلئے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے ایک تحریر میں یہ مؤقف اختیار کیا کہ:

''جس واقعے کا ذکر ہوا ہے اس کا تذکرہ تفسیر ابن کثیر میں ہے اور تفسیر ابن جریر میں بھی، مزید برآں یہ سنن ابی داؤد میں بھی مذکور ہے اور جامع ترمذی میں بھی اور اسے دورِ حاضر کے محدث اعظم علامہ ناصر الدین البانیؒ نے بھی اپنی تالیف ''مجموعۃ احادیث الصحیحہ'' میں شامل کیا ہے اور عہد حاضر کے اہم مفسر قرآن مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اسے سورۃ النساء کی آیت 43 کے شان نزول کے ضمن میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ''ترمذی میں حضرت علیؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بعض صحابہ کرام کی دعوت کر رکھی تھی۔ جس میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا، جب یہ سب حضرات کھا پی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اور حضرت علیؓ کو امام بنا دیا گیا، ان سے نماز میں "قـــل یـــا ایـــهـا الـکـافـــرون......'' کی تلاوت میں بوجہ نشہ سخت غلطی ہوگئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی،، غالباً اسی سے ملتی جلتی کوئی بات میں نے کہی ہوگی جس پر ناپسندیدگی یا بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے، حالانکہ اس سے ہرگز نہ حضرت علیؓ پر کوئی حرف آتا ہے نہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر اس لیے کہ یہ واقعہ حرمتِ شراب کے آخری اور قطعی حکم سے پہلے کا ہے جو سورۃ المائدہ کی آیات نمبر 90 تا 92 میں نازل ہوا ہے اور وہیں آیت نمبر 93 میں یہ وضاحت موجود ہے کہ کسی شے کی حرمت کے قطعی اور حتمی حکم سے قبل اہلِ ایمان نے جو کھایا پیا ہو اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی!''

سابقہ الہامی مذاہب میں شراب حرام تھی

قبل اس کے کہ مذکورہ بالا روایت کا علمی اور فنی لحاظ سے جائزہ لیا جائے اس حقیقت کا اظہار لازم ہے کہ تمام سابقہ ادیان میں جو الہامی مذاہب تھے ان میں شراب حرام تھی، کسی دین میں بھی

اس کے جواز کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، چنانچہ بائبل کتاب استثناء باب ۲۱ جملہ نمبر ۲۰--۲۱ سے واضح ہوتا ہے کہ والدین کے نافرمان ضدی، سرکش اور شرابی اولاد کو بھی سنگسار کر دیا جائے الفاظ یوں ہیں:

"......وہ اس شہر کے بزرگوں سے عرض کریں کہ یہ ہمارا بیٹا ضدی اور گردن کش ہے یہ ہماری بات نہیں مانتا اور اڑاؤ اور شرابی ہے تب اس کے شہر کے سب لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے یوں ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دور کرنا، تب سب اسرائیلی سن کر ڈر جائیں گے"۔

یسعیاہ باب ۵ جملہ نمبر ۱۱ بعنوان "خطا کاروں پر افسوس" کے ذیل میں لکھا ہے:

"افسوس ان پر جو صبح کو اٹھ کر نشے کی تلاش کرتے ہیں اور رات کو دیر تک جاگتے ہیں جب تک مے ان کو بھڑکا نہ دے وہ بربط اور سارنگی اور خنجریوں اور بانسری اور ضیافتوں کی مے نوشی میں غرق ہو کر خداوند کے کام پر توجہ نہیں کرتے۔"

ایضاً باب نمبر ۵ جملہ ۲۲، ۲۳ یوں ہے:

"افسوس ان پر جو مے نوشی میں بہادر اور نشوں کے ملانے میں دلیر ہیں۔ جو رشوت کے باعث شریر کو پاک ٹھہراتے اور صادق سے اس کا حق لے لیتے ہیں۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سابقہ شریعتوں میں شراب کی ممانعت موجود اور معاشرے میں اسے برا سمجھا جاتا تھا نیز معمولی علم رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ محرف ہونے کے باوجود "بائبل" میں شراب نوشی کی اتنی مذمت اور شدید سزا تجویز کی گئی ہے، تو مندرجہ بالا عبارت اس امر کی ناقابلِ تردید دلیل ہے، کہ دینِ ابراہیمی جو تمام عربوں کا دین تھا اس میں شراب کی حرمت اور مذمت ہر لحاظ سے واضح ہو گئی، انسانی تاریخ کا اگر اعماقِ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آفتابِ نیمروز کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ عربوں بالخصوص قریش میں سے جو دینِ ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھے اور اس میں پیدا شدہ تحریفات یعنی بت پرستی، زنا، شراب نوشی اور جوا وغیرہ سے بالکل اجتناب کرتے اور ان کو حرام اور ممنوع سمجھتے تھے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جناب جعفر طیارؓ برادر

حضرت علی علیہ السلام بھی ان چیزوں سے محفوظ تھے مفسرین کا بیان ہے کہ جبرئیلؑ نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کو جعفر طیارؓ کی چار خصلتیں بہت پسند ہیں جوان میں زمانہ جاہلیت میں بھی پائی جاتی تھیں تو حضرت پیغمبر اسلام ﷺ نے جناب جعفر طیارؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ: **یا رسول اللہؐ ماشربت الخمر قط لانی رأیتھا تزیل العقل و انا الی ان ازید فیہ احوج منی الیٰ ان ازیلہ و ماعبدت صنماً قط لانی رأیتہ لایضر ولا ینفع وما زنیت قط لغیرتی علی اھل وما کذبت قط لانی رأیتہ دناء ۃ**

پہلی خصلت یہ کہ میں نے (حرمت سے پہلے بھی) شراب کبھی نہیں پی، میں جانتا تھا کہ اس سے عقل زائل ہوتی ہے اور میں چاہتا تھا اور میں چاہتا تھا کہ عقل اور بھی تیز ہو۔

دوسری خصلت یہ کہ میں نے کبھی بت پرستی نہیں کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ بت نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔

تیسری خصلت یہ کہ میں کبھی زنا میں مبتلا نہیں ہوا، اسے بے غیرتی سمجھتا تھا۔

چوتھی خصلت یہ کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کیونکہ میں اسے کمینہ پن خیال کرتا تھا۔

حوالہ کے لیے دیکھئے علماء سلطنت عثمانیہ میں سے امام اہلسنت شیخ اسماعیل البروسوی آفندی کی معرکۃ الآرا تفسیر ''روح البیان'' جلد اوّل صفحہ ۲۳۰ طبع اسلامبول)

لہٰذا اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ان سے محفوظ رکھا۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ وہ لوگ جو عہد جاہلیت میں بھی ان درج بالا تمام صفات حمیدہ یا کسی ایک صفت سے متصف ہیں، تعداد کے لحاظ سے کتنے تھے البتہ ایسے عظیم لوگ جو ایسے قبیح اور رذائل سے مبرا ہوتے ہیں ان کی تعداد ہر دور میں بہت ہی کم رہی ہے اس سلسلے میں مستند اور معتبر مورخین کی تصریحات موجود ہیں۔ مشہور اہلحدیث عالم صفی الرحمٰن مبارک پوری جن کا حال ہی میں ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ میں انتقال ہوا ہے، سیرت نبی اکرم ﷺ پر سعودی حکومت

سے اوّل انعام یافتہ کتاب ''الرحیق المختوم'' اردو ترجمہ صفحہ ۷۰ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور میں ''جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں'' دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زنا کاری تمام طبقات میں عروج پر تھی کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ نہ تھی، البتہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں ایسی ضرور تھیں جنہیں اپنی بڑائی کا احساس اس برائی کے کیچڑ میں لت پت ہونے سے باز رکھتا تھا''۔

کاش! مبارکپوری صاحب ان مرد وخواتین میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی ہی ذکر کر دیتے تو یہ ابہام رفع ہوسکتا تھا اگر چہ انہوں نے اختصار کے پیش نظر ان مرد وخواتین کی نشاندہی نہیں کی لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ بنو ہاشم اور ان کے علاوہ دیگر نیک بخت لوگ زنا اور شراب نوشی جیسے کبائر سے مکمل طور پر دور تھے اس اجمال کی قدرے تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ مفتی احمد بن زینی دحلان مکی متوفی ۱۳۰۴ھ نے ''السیرۃ النبویۃ'' میں اور الشیخ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ نے ''السیرۃ'' حضرت قُصَّی بن کلاب کے تذکرہ کے ذیل میں تحریر کیا ہے:

''فلما احتضر قال لاولاده اجتنبوا الخمر فانها تصلح الابدان وتفسد الاذهان'' جب حضرت قصی بن کلاب کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ شراب سے اجتناب کرنا کیونکہ یہ بدن کو تو درست کرتی ہے لیکن ذہن کو برباد کردیتی ہے۔

(السیرة النبویه جلد ۱ صفحه ۲۳، السیرة الحلبیه ج ۱ صفحه ۱۳)

جس وقت جناب قصی کا ۴۸۰ء میں سانحۂ ارتحال پیش آیا، عالم جاودانی کی طرف منتقل ہونے کے بعد بھی عوام میں ان کی بڑی عزت وقدر کی جاتی تھی اور ان کا مزار مرجع خلائق تھا جیسا کہ ابن اثیر جزری نے ان کے حالات میں لکھا ہے ولما مات دفن بالحجون فکانوا یزورون قبرہ و یعظمونہ ''جب جناب قصی انتقال کر گئے تو حجون میں دفن کیے گئے اس کے بعد لوگ ان کی قبر مبارک کی زیارت کو جاتے اور ان کے مزار کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے''۔

(تاریخ کامل ج ۲ صفحه ۹ طبع مصر)

حضرت قصیؓ حضرت عبد منافؓ کے باپ اور حضرت ہاشمؓ کے دادا تھے انہیں کے پوتے حضرت عبدالمطلبؓ تھے جو حضرت حمزہؓ اور حضرت ابوطالبؓ وغیرہ کے باپ تھے حضرت عبد مناف کی اولاد میں حضرت ہاشم ہی دراصل ان کے حقیقی جانشین تھے وہ بھی اپنی نیکی، پارسائی اور تقویٰ میں شہرت رکھتے تھے حضرت ہاشمؓ کی اولاد میں سے حضرت عبدالمطلبؓ اپنے والد کے جانشین تھے جن کی تقدس مآب پیشانی سے آثار بزرگی وجلالت اور علامات ورع وتقویٰ نمایاں تھے جن کے خطبات توحید نے اہل شرک ونفاق کے دل ہلا کر رکھ دیئے ان کی کرامات اور بزرگی اسلامی تاریخ کے اوراق میں درج ہیں حتیٰ کہ ابرہہ کے بڑے ہاتھی نے بھی جھک کر حضرت عبدالمطلب بن ہاشمؓ کو سلام کیا تھا۔

خاندانِ بنو ہاشم کے ہاں شراب حرام تھی

محدث شہیر محمد بن عبدالباقی الزرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ نے علامہ قسطلانی کی کتاب ''مواھب لدنیہ'' کی نہایت عمدہ اور مفصل شرح میں خاندان بنی ہاشم کے حالات میں اس امر کی تصریح یوں کی ہے:

و كان (عبدالمطلب) يأمر اولاده بترك الظلم و البغى و يحثهم على مكارم الاخلاق و ينهاهم عن دنيات الامور و تؤثر عنه سنن جاء بها القرآن والسنة كالوفاء بالنذر والمنع من نكاح المحارم و قطع يدالسارق والنهى عن قتل الموؤدة و تحريم الخمر والزنا وان لايطوف بالبيت عريان،

''حضرت عبدالمطلب اپنی اولاد کو ظلم وسرکشی سے منع کیا کرتے تھے انہیں مکارم اخلاق کی ترغیب دیتے اور کمینے کاموں سے روکتے تھے آپ سے ایسی باتیں مروی ہیں جن کا حکم قرآن وسنت نے دنیا کو دیا مثلاً نذر کی وفا کرنا، محرمات سے نکاح کا ناجائز ہونا، چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب وزنا کی حرمت اور یہ کہ بیت اللہ کا ننگے ہو کے طواف نہ کیا جائے''۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ جلد ۱ صفحہ ۸۲ المطبعۃ العامرۃ الازہریۃ قاہرہ ۱۳۲۵ھ)

بعینہٖ اسی طرح ''سیرت حلبیہ'' جلد اوّل صفحہ ۱۱۴، ۱۱۳ طبع قاہرہ، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب للعلامۃ آلوسی جلد اول صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ بغداد ۱۳۱۴ھ، میں بھی موجود ہے ان کتب کو دیکھا جاسکتا ہے۔

البتہ ان آخری دو کتابوں میں ''فی آخر عمرہٖ'' (حضرت عبدالمطلب آخری عمر میں یہ عقائد رکھتے تھے) کے الفاظ کا اضافہ محلِ نظر ہے کیونکہ حضرت قصی کی وصیت اس توہم کی نفی کرتی ہے بلاشبہ حضرت عبدالمطلبؑ کی اولاد اپنے جدِ اعلیٰ کی وصیت پر عمل پیرا اور تسلسل سے پورے جزم و یقین کے ساتھ دین ابراہیمی پر کاربند اور ان ہی عقائد کو اپنائے ہوئے تھی۔

اس کے علاوہ ''شرح بہجۃ المحافل'' لملا محمد الیمنی جلد اول صفحہ ۲۷۹ مطبوعہ المطبعۃ الجمالیہ مصر ۱۳۳۰ھ اور اسنی المطالب صفحہ ۵۸ المطبعۃ الخیریۃ مصر میں حضرت عبدالمطلبؑ کے متعلق حسب ذیل عبارت موجود ہیں:

وکان ممن حرم الخمر علیٰ نفسہ ''آپ ان افراد سے تھے جنہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کرلی تھی''۔

یہی بات علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں اس طرح کہی ہے: **شیخ البطحاء عبدالمطلب مستجاب الدعوۃ محرم الخمر علی نفسہ** (جلد اوّل صفحہ ۱۷) مستجاب الدعوات ہونا ہی ان کے بارگاہ ربوبیت میں مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

جب نزول قرآن اور اشاعتِ اسلام سے پہلے حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنی روحانیت کی شعاعوں میں ان عیوب کو اپنی آغوش کے پروردہ افراد سے الگ رکھا، شراب کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اور دیگر معائب کو دنیا سے ختم کرنے کی کوشش کی تھی، تو خدارا انصاف سے بتائیے! ان کے متعلق کیسے کہا جائے کہ ان کے تربیت یافتہ جو اسلام کے عہد میں پرورش پا رہے تھے جن کی نگرانی

خود رسول اکرم ﷺ کر رہے تھے اور جن کی تربیت بھی رسول ﷺ نے کی، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شراب پئیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے بہت سے اچھے کاموں کو خدا نے پسند فرمایا اور ان کو احکام اسلام کا حصہ بنایا جن میں چند درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے بت پرستی کو برا سمجھا، قرآن کریم نے بھی منع کیا۔

۲۔ آپ نے توحید باری تعالیٰ کو اپنا نصب العین قرار دیا، اسلام نے یہی درس دیا اور قرآن مجید نے یہی بتایا ہے۔

۳۔ آپ نے ماں، بہن بیٹیوں وغیرہ محرمات سے نکاح کو حرام قرار دیا، قرآن نے بھی ایسا ہی حکم دیا۔

۴۔ آپ نے لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کی شدید ممانعت کی، قرآن نے بھی یہی کہا۔

۵۔ آپ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم نافذ کیا، قرآن کو بھی یہی پسند آیا۔

۶۔ آپ نے شراب کو حرام کر دیا، قرآن نے بھی حرمتِ خمر کا اعلان کیا۔

ایسی واضح تصریحات کے بعد بھی انصاف و عقل کی دنیا میں کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلا استثناء سب کے سب شراب پیتے رہے حاشا وکلا۔ آپ ان مستند تاریخی حوالوں پر غور کرنے کے بعد یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ سید الکائنات ﷺ اور مولائے کائنات ؑ کے آبا و اجداد سب کے سب ایماندار اور دین ابراہیمی پر تھے وہ شراب اور دیگر خبائث سے محفوظ اور کبھی کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے صرف اسی موضوع پر ۹ عدد کتب تصنیف کیں جو حیدر آباد دکن سے شائع ہوئیں بحمد اللہ تعالیٰ یہ تمام کتب ہمارے کتب خانہ کی زینت ہیں۔ ان ہی میں سے اپنی ایک کتاب "مسالک الحنفاء" صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں: **ان اباء النبی ﷺ لم یکن فیھم مشرك** "نبی کریم ﷺ کے آباء و اجداد میں ایک بھی مشرک نہیں تھا"۔

ان تاریخی حقائق کو ذکر کر دینے کے بعد اب یہاں کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

لہٰذا ہم ڈاکٹر صاحب سے اتنی گزارش ضرور کریں گے کہ وہ علمی مباحث سے بالکل اجتناب کیا کریں اور تحقیق کی وادیٔ پُر خار میں قدم نہ رکھیں کیونکہ یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔

؎ اے مگس عرصہ سیمرغ نہ جولانگہ تست عرض خود می بری وزحمت ما می داری

حضرت علیؑ کی پہلی گھٹی لعابِ دہنِ پیغمبرؐ تھی

ٹی وی کے مذکورہ بالا خطاب میں موصوف نے نہایت غیر ذمہ دارانہ اور گستاخانہ الفاظ استعمال کیے کہ شراب صحابہ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ واضح رہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد ان کے منصب بزرگی وتقویٰ میں حضرت ابوطالبؑ جانشین ہوئے جن کو باری تعالیٰ نے ہرطرح کی غیر معمولی طاقتوں سے نواز رکھا تھا، تمام محقق مورخین اور اہل سیرت اس پر متفق ہیں کہ آپ نے اپنے اوپر شراب کو قطعاً حرام کیا ہوا تھا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات زندگی پر مشتمل مشہور ومستند کتاب ''السیــــرۃ النــــبویۃ بھا مش انسان العیون '' جلد اول صفحہ ۹۱ پر یوں تحریر ہے: **وکـان ابـو طـالـب ممن حرم الخمر علیٰ نفسہ فی الجاھلیۃ کأبیہ عبد الـمـطـلـب**'' حضرت ابوطالبؑ اپنے باپ عبدالمطلبؑ کی طرح زمانہ جاہلیت میں (بھی) شراب کو اپنے اوپر حرام کئے ہوئے تھے'' کذافی: السیرۃ الحلبیۃ جلد ا صفحہ ۱۱۳) اور آپ نے ہی حضرت محمد ﷺ کی پرورش وتربیت کی اور بعد از اعلانِ نبوت نہ صرف قریش بلکہ تمام عربوں کے مقابلے میں پوری استقامت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا، حضرت ابوطالبؑ کی اولاد میں سے حضرت علیؑ تھے جو سید الکائنات ﷺ کے بعد ساری مخلوق سے اعلیٰ و اشرف اور اکمل ترین فرد ہیں، جن کی پرورش کی ذمہ داری خود حضرت محمد ﷺ نے لی ہوئی تھی آپ ﷺ جب عبادت الٰہی کیلئے غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تو حضرت علیؑ کو بھی اکثر اپنے ہمراہ لے جاتے تھے چنانچہ جس طرح حضرت علیؑ نے ولادت کے مرحلہ پر بھی اس وقت تک آنکھ نہ کھولی جب تک رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی آغوش میں نہ لیا، پیدا ہوتے

ہی چہرۂ رسول ﷺ کو دیکھا، چنانچہ آپ نے نومولود کو اپنی گود میں لے کر اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں ڈالی اور آپ نے دیر تک پہلی غذا یعنی گھٹی حاصل کی، حضرت علی علیہ السلام کی پہلی پہلی گھٹی یہی لعاب دہن مبارک تھا نہ کہ شراب بلکہ دیگر جائز اور حلال چیز بھی نہ تھی، علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ نے ''خصائص العشرة الكرام صفحہ ۱۰۳ طبع بغداد'' میں اور مفتی دحلان مکہ نے 'السیرة النبویه'' میں اس کا بڑے شدومد سے ذکر کیا ہے۔ اسی گھٹی کا ہی اثر تھا کہ آپ نے اپنی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا آئینہ بنا دیا۔

گھٹی میں شراب......؟

گھٹی میں شراب کی بات عام لوگوں کے بارے میں تو درست ہے لیکن بہت سے موحدین دورِ جاہلیت میں اس برائی سے پاک تھے جیسا کہ شرک و بت پرستی سے دور تھے بالخصوص خاندانِ بنی ہاشم میں سے سرکردہ متقی اور پرہیزگار لوگ ان برائیوں سے اجتناب کیا کرتے تھے اس لئے کہ دینِ ابراہیمی کی بنیادی خصوصیات کو یہ لوگ محفوظ رکھے ہوئے تھے اور ان ہی پر عمل پیرا تھے، نیز یہ بھی واضح ہو کہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں محدثین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ: **لم يكفر طرفة عين** '' آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی کفر و شرک نہیں کیا''۔

﴿کنز العمال ج۶ صفحہ ۱۵۲ طبع دکن، سیرة حلبیه ج ۱ صفحہ ۲۵۷ طبع مصر﴾

مزید برآں اس سلسلہ میں علامہ عبدالحمید بن ہبۃ اللہ بغدادی متوفی ۶۵۵ھ نے بڑے پتے کی بات کہی:

ولم يجر عليه اسم شريك ولا شرب خمر ''حضرت علیؑ پر کبھی نہ شرک کا الزام لگا اور نہ ہی شراب پینے کا اتہام'' (شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۷ مطبعہ میمنیہ مصر)

آپ کو شراب سے اس قدر نفرت تھی کہ ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: لــــو

وقعت قطرة فی بئر فبنیت مکانها منارة لم اوذن علیها ولو وقعت فی بحر ثم جف ثم نبت فیه الکلاء لم ارعه "اگر شراب کا ایک قطرہ کنویں میں گر پڑے اور اس پر کوئی منارہ بنایا جائے تو میں اس پر اذان کبھی نہ کہوں اور اگر کوئی قطرہ دریائے ناپیدا کنار میں گرے پھر وہ دریا خشک ہو جائے پھر اس پر گھاس اُگے تو میں اس پر (بھیڑ بکریوں کو) نہ چراؤں"۔

(ملاحظہ ہو! روح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ طبع دار الطباعۃ العامرہ اسلامبول ۱۲۸۵ھ مدارک التنزیل للنسفی جلد ۱ صفحہ ۸۵ طبع المطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ قاہرہ ۱۳۲۳ھ)

اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ شراب سے اتنی نفرت کرنے والی عظیم شخصیت کے متعلق کیا یہ ہرزہ سرائی کی جا سکتی ہے کہ نعوذ باللہ انہوں نے شراب نوشی کی پھر اسی حالت میں نماز پڑھائی؟ فیا اسفا۔

حضرت علی علیہ السلام کی طرف اس بات کی نسبت دینا ہی کفر ہے۔ اور پھر ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام پر شراب نوشی کا الزام لگا دیا اور اس میں ذرہ بھر شرم محسوس نہ کی، گویا یہ الزام حضرت علی علیہ السلام پر نہیں بلکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر ہے۔ (العیاذ باللہ)

ع ایں ہمہ غوغو سگاں نسبت بنور افشانی ماہ است

حضرت علی علیہ السلام اہل بیت کے افضل ترین فرد ہیں

علاوہ بریں ابو الائمہ حضرت علی علیہ السلام آیت تطہیر کے مصداق ہیں حتیٰ کہ حافظ ابن تیمیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ نے اپنے فتاویٰ میں یہ حقیقت نہایت صریح بیان کر دی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا اہل بیت سے ہونا ایک ایسا امر ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ اتنا واضح ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ بل هو افضل اهل البیت وافضل بنی هاشم بعد النبی صلی الله علیه وسلم، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے افضل ترین فرد ہیں۔ (الفتاویٰ الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۲۰ مطبعہ کردستان العلمیہ قاہرہ

۱۳۲٦ھ) ابن تیمیہ کی اس عبارت سے اچھی طرح واضح ہوا کہ پوری کائنات میں سب سے افضل خاندانِ بنی ہاشم ہے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بنی ہاشم میں سب سے افضل اور بعد النبیؐ تمام مخلوق سے افضل آپ کی اہل بیت علیہم السلام اطہار ہے اور اہل بیت و بنی ہاشم میں سب سے افضل علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ حرانی نے تو بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضلیت کا مسئلہ ہی حل کر دیا ہے اور تطہیر اللہ تعالیٰ کا تکوینی ارادہ ہے جس میں کسی زمانے کی قید نہیں ہے، اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حضرات قدسیہ پہلے رجس میں مبتلا ہوں اور بعد میں ان کو پاک کیا گیا ہو، جن افراد کو اللہ تعالیٰ نے دیگر افرادِ بنی نوعِ انسان کے لئے رہنما کی حیثیت سے پیش کرنا ہو ان کی تربیت بچپن ہی سے اسی طرح ہوتی ہے کہ کوئی شخص ان کے کردار پر انگشتِ تنقید اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتا، کل تک خود شراب نوشی کریں اور آج دوسروں کو شراب نوشی پر سزا کس منہ سے دیں؟

واقعہ مباہلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف حضرت علی علیہ السلام کو ''انفسنا'' کا مصداق ٹھہرا کر انہیں اپنے ساتھ لے کر گئے تھے، جن لوگوں نے کل تک شرک و بت پرستی اور شراب، جوأ و زنا جیسے قبیح افعال کا ارتکاب کیا ہو وہ اس فیصلہ کن مرحلہ پر ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**لا یقاس بنا آل محمد احد**'' ہم اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا قیاس نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ طبقات الحنابلہ ابی یعلی جلد دوم صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ قاہرہ میں ہے کہ جب احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنے باپ احمد بن حنبل سے تفضیل صحابہؓ کے بارے میں پوچھا تو کہا خلافت میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ ہیں یہ سن کر ان کے صاحبزادے نے عرض کیا اور علی بن ابی طالبؓ؟ تو انہوں نے صاف صاف بتادیا:

یا بُنَیَّ علی بن ابی طالب من اهل بیت لایقاس بهم احد ''اے بیٹے! حضرت علی بن ابی طالب اہل بیت سے ہیں ان کے ساتھ کسی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا (نہ ہی موازنہ اور مقابلہ کیا جاسکتا ہے)۔ (کذا فی! مناقب الامام احمد لابن الجوزی صفحہ ۱۶۳ مطبعۃ السعادہ مصر، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمانؓ صفحہ ۲۷ طبع بیروت) لہٰذا اہل بیت علیہم السلام کا معاملہ دیگر امت اور صحابہ

کرامؓ سے علیحدہ ہے دراصل بنیادی غلطی یہیں سے شروع ہوتی ہے جب آنحضرت ﷺ کے اہلِ بیتؑ کا دوسروں سے قیاس و موازنہ کیا جاتا ہے اور دوسروں کو ان کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہے بہر حال بات وہی ہے کہ:

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

حالانکہ یہ بات نصوص قطعیہ اور دلائل صریحہ کے سراسر خلاف ہے۔

من گھڑت روایات کی کثرت

ڈاکٹر صاحب نے جن کتب اسلامیہ کا حوالہ دیا ہے ان کتب میں روایات، ناصبی و اسرائیلی راویوں سے لی گئی ہیں اسے ہی ڈاکٹر صاحب ''فقہ ملوکیت'' قرار دیتے ہیں یہ فقہ ملوکیت انہی کتب میں درج روایات سے اخذ کی گئی ہیں ان کتب میں نہ صرف اہل بیتؑ کو دیگر افرادِ امت پر قیاس کیا گیا ہے بلکہ ان کو آلِ محمدؑ پر ترجیح دی گئی ہے ان کتب میں اس طرح کی روایات کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے درحقیقت یہ روایات فقہ ملوکیت کو درست قرار دینے کیلئے وضع کی گئی ہیں، اس کے علاوہ چونکہ بنوامیہ کو بنو ہاشم بالخصوص حضرت علی علیہ السلام سے شدید عداوت تھی جب عداوت و کدورت اپنے انتہائی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تو انہوں نے مکر و فریب کے سہارے سے حضرت علی علیہ السلام کی بلند و بالا شخصیت کو گھٹانے کے لئے ان کی تنقیص میں طرح طرح کے اکاذیب و اباطیل اور بہت سی روایات وضع کیں، اموی حکمرانوں نے اپنی بدکرداری جس میں شراب نوشی کی عادت شامل تھی کو جائز قرار دینے کے لئے جہاں دیگر روایات گھڑی ہیں وہاں حضرت علی علیہ السلام پر بھی شراب نوشی کے الزام کی روایات گھڑ ڈالیں کچھ نادان مؤلفین نے انہیں اخذ کیا اور اپنی کتابوں میں داخل کر کے تاریخ کا ایک اور سیاہ باب قائم کر دیا(۱)۔ لہٰذا یہ روایت بھی ان ہی روایات میں سے ایک ہے جو سراسر وضعی، خودساختہ اور من گھڑت مرجوح و غیر مقبول

(۱) حضرت علیؑ سے بغض و عداوت کی وجہ سے ان کے فضائل میں وارد احادیث معتبرہ کو بڑی تندی کے

اور حقائق کے بالکل خلاف ہے یہ روایت سنن ابی داؤد ص ۶۲۲ کتاب الاشربۃ حدیث ۳۶۶۸ طبع بیروت اور سنن ترمذی کتاب التفسیر ص ۱۱۶۴ حدیث نمبر ۳۰۲۶ طبع دارالمعرفۃ بیروت وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہے۔اور بموجب "لکل ضلة علة" ہر گمراہی کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے حضرت علی علیہ السلام کی اس توہین کا سبب اور علت یہی روایت بیان کی جاتی ہے۔

زیر بحث روایت کی سند

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم آپ کے سامنے اس روایت کی پوری اسناد پیش کر دیں جو امام ترمذی و امام ابوداؤد نے بیان کی ہے۔ لیجئے! پہلے ذرا اس روایت کی سند پر سرسری نظر فرمائیں:

(الف): حدثنا عبد بن حمید حدثنا عبدالرحمن بن سعد عن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی بن ابی طالب..........(سنن ترمذی)

"عبد بن حمید نے عبدالرحمٰن بن سعد سے، انہوں نے ابوجعفر رازی سے، انہوں نے عطاء

ساتھ نظر انداز کر دیا جاتا تھا چنانچہ محدث ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ نے اس افسوسناک اور دلگداز پہلو کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

واهملوا من ذکره او روی حدیثاً من فضائله حتی تحامیٰ کثیر من المحدثین ان یتحدثوابها و عنوا بجمع فضائل عمرو بن العاص و معاویة کانهم لایریدونهم بذلك و انما یریدونه......،اور جو کوئی حضرت علیؓ کا ذکر کرے یا ان کے فضائل میں سے کوئی حدیث روایت کرے تو اسے جان بوجھ کر متروک کر دیتے ہیں حتیٰ کہ محدثین نے حضرت علیؓ کے فضائل بیان کرنے سے پہلوتہی کی ہے عمرو بن عاص اور معاویہ کے فضائل جمع کرنے پر عنایت کی ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمرو اور معاویہ کے فضائل کا ارادہ نہیں بلکہ تنقیص علیؓ کا ارادہ رکھتے ہیں۔" (الاختلاف فی اللفظ والرد علی الجہمیۃ المشبہۃ صفحہ ۴۸ طبع مکتبہ القدسی قاہرہ)

انتہائی ستم ظریفی دیکھئے کہ ہر دور کے نام نہاد محدثین و مؤرخین اور اہل قلم حضرت علی بن ابی طالب علیہا السلام کے کمالات علمیہ کو پوری مستعدی سے عمداً مخفی رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہی صورت حال آپ کے سامنے ہے۔

بن سائب سے اور انہوں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے، اس نے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ......"

(ب): حدثنا مسدد قال اخبرنا یحی عن سفیان قال اخبرنا عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی بن ابی طالب......(سنن ابی داؤد)

"مسدد بن مسرھد بن مسربل بصری نے یحیٰ بن سعید بن فروخ القطان بصری سے، انہوں نے سفیان بن سعید بن مسروق ثوری سے، انہوں نے عطاء بن سائب سے اور انہوں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے اس نے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ......"

مرکزی راوی ابوعبدالرحمٰن سُلمی:

واضح ہو کہ اس روایت کے مرجوح اور نا قابل احتجاج ہونے کی ایک وجہ یہ کہ تمام کتب میں اس زیر بحث روایت کے سلسلۂ اسناد میں مرکزی راوی ابوعبدالرحمٰن السلمی ہے، جس کا پورا نام عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ سلمی ہے اس کی وفات کم وبیش ۷۲ ہجری میں بشر بن مروان کے عہد حکومت میں ہوئی حافظ ابوحاتم رازی متوفی ۲۷۷ھ کہتے ہیں: لیس تثبت روایته عن علی رضی الله عنه، اس کی روایت جناب امیر علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم صفحہ ۷۰ طبع بغداد، تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۸۴ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ) اس قول کی بنا پر یہ روایت منقطع ہے بہرصورت انقطاع کم ہو یا زیادہ یہ روایت کی حجیت کے لیے قادح ہے اگر بفرض محال روایت ثابت ہو ہی جائے تب بھی اس کی بیان کردہ روایت قابل قبول نہیں ہے کیونکہ یہ شخص جناب امیر علیہ السلام کا زبردست مخالف اور ان کی اعلانیہ تنقیص کیا کرتا تھا اس مطلب کی تائید مزید امام بخاری کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ اب لیجئے! اس سلسلے میں امام بخاری متوفیٰ ۲۵۶ھ کا بیان قابل استناد ہے انہوں نے نہایت واشگاف لفظوں میں اس کا دشمن علیؑ ہونا بتایا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی عبدالرحمن و کان عثمانیاً فقال لابن عطیة و کان علو یا انی لاعلم ما الذی جرا صاحبك علیٰ الدّمآء،

''ابوعبدالرحمٰن سلمی جو عثمانی تھا حبان ابن عطیہ سے کہا جو علوی تھا کہ تیرے صاحب (حضرت علی علیہ السلام) کو اس قدر خون ریزی کرنے کی جرأت جس وجہ سے ہوئی ہے اس کو میں جانتا ہوں''۔ **(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ کتاب الجهاد باب اذا اضطر الرجل الی النظر فی شعور اهل الذمة)**

بعض محقق شارحین نے بخاری شریف کی اس روایت کے ذیل میں یہ وضاحت کی ہے کہ ''ابوعبدالرحمٰن سلمی کا یہ کلام صریح بے ادبی ہے حضرت علیؓ سے، آپ نے جو خوارج اور باغیوں کو قتل کیا وہ بموجب امرِ الٰہی تھا نہ اس وجہ سے کہ آپ کو اپنے بہشتی ہونے کا یقین تھا اور اس یقین کے بھروسے پر آپ خلاف شرع کام کرتے رہے''۔

(تیسیر الباری شرح صحیح البخاری صفحہ ۵۵ پارہ نمبر ۱۲ طبع احمدی لاهور)

اور یہی بات دوسرے شارحین نے بھی تحریر کی ہے جیسا کہ علامہ بدرالدین العینی نے عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۱۱۴ طبع قسطنطنیہ میں بیان کیا ہے۔

عالی قدر قارئین!

آپ اندازہ کیجئے کہ اس شخص کی رگ و ریشہ میں عداوت علیؑ کس قدر سرایت کر چکی تھی کہ اس کی رگ ناصبیت پھڑک اٹھی اور حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں گستاخی و بے ادبی کی نہایت ذلیل جسارت کرتے ہوئے ان پر خون ریزی کا اتہام لگا دیا۔ اس کے یہ گستاخانہ کلمات ناصبی ذہنیت کی پیداوار ہیں، پھر یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جو شخص کھلم کھلا تنقیص علیؑ جیسے فعل شنیع کا مرتکب ہوا ہو، اسے قابل اعتماد و استناد اور ثقہ گردانا کہاں کا انصاف ہے جبکہ اس شخص کا ناصبی ہونا مسلّم ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں ایک دوسرا حوالہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ حافظ

ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: **شهد مع علی رضی الله عنه صفین ثم صار عثمانیا** "یہ شخص جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ہمراہ تھا، بعد ازاں عثمانی (ناصبی) ہو گیا تھا"۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۸۴) یہی بات مشہور مورخ ابو یسف الفسوی متوفی ۲۷۷ھ نے "کتاب المعرفۃ والتاریخ" جلد ۲ ص ۵۸۹ مطبعۃ الارشاد بغداد، مولانا محمد یوسف کاندھلوی نے امانی الاحبار جلد ا ص ۲۴۱ طبع ملتان اور شیخ محمد امین الأورکزئی نے نثر الازھار شرح معانی الاثار جلد ا صفحہ ۹۶ طبع کوہاٹ میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ درج کی ہے۔

لفظ "عثمانی" کی وضاحت

یہاں لفظ "عثمانی" کی وضاحت کرتا چلوں وہ یہ کہ قتل عثمانؓ کے فوراً بعد مسلمانوں کے دو گروہ ایک "علوی" اور دوسرا "عثمانی" معرض وجود میں آ گئے تھے تاریخ بتلاتی ہے کہ جو لوگ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اور ان کی اولادِ اطہار کے محب اور حامی وطرف دار تھے ان کو علوی کہا جاتا تھا اور جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے دشمن اور زبردست مخالف یا ان مخالفین کے حامی تصور کیے جاتے تھے وہ عثمانی کے نام سے موسوم تھے اور اصطلاح میں انہیں "ناصبی" کہا جاتا ہے جیسا کہ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء اور جاحظ نے کتاب العثمانیہ(۱) میں اس کی وضاحت کی ہے۔ ازرہ انصاف فرمایئے کہ جب عثمانی یعنی ناصبی راوی، اگر حضرت علی علیہ السلام کی مذمت میں روایت کرے تو یہ کس

---

(۱) اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۴ باب فضل ابی بکر بعد النبیؐ طبع بولاق ۱۳۰۱ھ میں لکھتے ہیں: **وهم العثمانية الذين يغالون فی حب عثمان و ينتقصون عليًا** عثمانیہ وہ لوگ ہیں جو حضرت عثمانؓ سے محبت میں غلو کرتے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کی تنقیص وتوہین کرتے ہیں (کذا فی، تحفۃ الاحوذی جلد ۴، صفحہ ۳۲۳، طبع دہلی، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد ۱۱، صفحہ ۴۷۰) اور علاوہ ازیں دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ کی شہرۂ آفاق کتاب "العثمانیہ" مطبوعہ دمشق ہمارے پیش نگاہ ہے انہوں نے اس میں عثمانیوں کے عقائد ونظریات پر تفصیلی گفتگو کی ہے پوری کتاب لائق مطالعہ ہے ہم یہاں پر ان

طرح قبول کی جا سکتی ہے؟ بلکہ اس پر اعتماد کرنا غضب باری تعالیٰ کا باعث ہے اور عندالمحققین یہ طے شدہ اصول ہے کہ ناصبی سے مروی روایت نا قابل اعتماد ہوتی ہے چہ جائیکہ وہ روایت جس میں اہل بیت علیہم السلام کی توہین وتحقیر کا پہلو پایا جائے وہ بدرجہ اتم لائق التفات واعتبار نہ ہوگی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''جمع الوسائل شرح الشمائل'' جلد۲ ص ۲۶۴، المطبعہ الادبیہ مصر ۱۳۱۷ھ میں نعیم بن ابی ہند ناصبی کے تذکرے میں اپنے استاد امام میرک حنفی کا قول نقل کیا ہے:

الرجل المرمیٰ بالنصب لیس بثقة ولا کرامة له بل هو ملعون کذاب علیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین،

''جس شخص کو ناصبی قرار دیا جائے وہ قابل وثوق نہیں ہے اور اس کے لیے کوئی عزت نہیں بلکہ وہ ملعون اور کذاب ہے اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو''۔

ان کے علاوہ برصغیر کے مشاہیر علماء میں سے شاہ عبدالعزیز الدہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں متعدد مقامات پر نواصب کی رد اور ان کی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا ہے ایک جگہ ذرا کھل کر ناصبی سے مروی روایت کے بارے میں بایں الفاظ تحریر کیا ہے:

نزد اہل سنت بغض اہل بیت و امیرالمومنینؑ از قوادح صحت

کی صرف ایک عبارت ہدیۂ قارئین کیے دیتے ہیں چنانچہ وہ اپنی اس معرکۃ الآراء تصنیف کے صفحہ ۱۷۶ پر رقمطراز ہیں: و قد تعلمون انه لم یکن فی الارض عثمانی الاتعلمون انه منکر لامامته و هم اکثر عدداً و اکثر هم فقیها و محدثا ''اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی عثمانی نہیں ہے مگر وہ اس (حضرت علی علیہ السلام) کی امامت کا منکر ہے اور عثمانی تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور ان کے فقہاء ومحدثین بھی زیادہ ہیں''۔

ہم اس مقام پر علامہ جاحظ کی مندرجہ بالا تحقیق انیق پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ یہ خود واضح اور غیر مبہم ہے کسی مزید بیان اور وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح رئیس الطائفۃ المحقہ حضرت شیخ مفید نے بھی ''الفصول المختارہ'' صفحہ ۲۰۴ طبع النجف میں تصریح فرمائی ہے۔ جس طرح حافظ عسقلانی نے عثمانیوں کے بارے میں خامہ فرسائی کی ہے۔

روایت است گو صاحب آن صادق القول و صالح العمل باشد،

"اہل سنت کے نزدیک اہل بیت اور امیر المومنین علیؓ سے بغض رکھنے والے کی روایت کی صحت باطل ہے اگر چہ وہ صادق القول اور صالح العمل ہی کیوں نہ ہو"۔

(تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۹۱ طبع ثمر ھند ۱۲۹۵ھ)

ازالہ شبہ:

ہوسکتا ہے کہ اس مقام پر معترض عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی ناکام کوشش کرے کہ ملا علی قاری نے امام میرک حنفی کے قول کا رد کیا ہے کہ نواصب وغیرہ پر لعنت کرنا محققین اہل سنت کے نزدیک صحیح نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ملا علی قاری نے امام میرک کے قول کو علی الاطلاق رد نہیں کیا البتہ انہوں نے نواصب وغیرہ پر لعنت کے عدم جواز پر اہلسنت محققین کا عندیہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ ان کی اصل عربی عبارت یہ ہے:

قلت هذا ليس مذهب المحققين من اهل السنة فانهم لم يجوز وا لعن احد بالخصوص لامن النواصب ولامن الروافض بل ولا من اليهود والنصارى الا من ثبت موته على الكفر فكيف يلعن من اتهم بكونه من الخوارج وهم من المبتدعين غير خارجين من طوائف المسلمين و ايضاً ليس مذهب المحدثين رد النواصب والروافض بمجرد بدعتهم و ربما يصرحون في حق بعض من الطائفتين بانه ثقة اذلا يلزم من كونه خارجياً او رافضياً ان يكون كذاباً اوفاسقاً كماهو مقرر في الاصول

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کہ اہل سنت محققین کا یہ مذہب نہیں ہے انہوں نے خصوصی طور پر کسی ایک پر لعنت کرنے کو جائز قرار نہیں دیا، نہ نواصب میں سے کسی پر نہ ہی روافض میں سے کسی پر بلکہ یہودو

نصاریٰ میں سے بھی کسی پر لعنت کو جائز قرار نہیں دیا، ہاں جس کی موت کفر پر ثابت ہو جائے (اس پر لعنت جائز قرار دیتے ہیں)، محض خارجی کی تہمت لگنے سے کسی شخص کو کیونکر ملعون قرار دیا جاسکتا ہے حالانکہ یہ صرف مبتدعین میں سے ہیں۔ مسلمان فرقوں سے خارج نہیں ہیں۔ اسی طرح محدثین کا مذہب نواصب اور روافض (کے راویوں) کو محض ان کی بدعت کی وجہ سے مسترد نہیں کرتے، بعض اوقات دونوں گروہوں کے بعض افراد کی نسبت تصریح کرتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں، اس لیے کہ کسی کے خارجی یا رافضی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کذاب یا فاسق ہے جیسا کہ اصول (حدیث) میں مقرر ہے۔" (جمع الوسائل شرح الشمائل جلد ۲ صفحہ ۲۶۴)

ملا علی قاری حنفی کا مندرجہ بالا بیان کہ نواصب پر بلکہ یہود و نصاریٰ پر بھی لعنت کرنا اہلسنت کے محققین کا مذہب نہیں ہے درحقیقت راہ تحقیق و انصاف کے سراسر خلاف ہے اور پھر یہ کہنا کہ جس کی موت کفر پر ثابت ہو اس پر لعنت جائز ہوگی ایک لایعنی اور بالکل ناقابل دریافت امر ہے۔ ناقابل فہم بات یہ ہے کہ روح قبض ہونے سے چند لمحے پہلے کیسے دریافت کیا جائے گا کہ اس نے یہودیت، نصرانیت، ناصبیت اور خارجیت وغیرہ سے توبہ کر لی ہے یا نہیں؟ آخری لمحے ایمان صحیح کا اقرار کر لیا ہے یا پرانے عقائد پر ہی مر رہا ہے؟ اصل میں اس طرح کی رنگ آمیزی اور مغالطہ آرائی سے نواصب کا دفاع اور انہیں لعنت سے بچانا مقصود ہے۔ لہٰذا اس طرح کے بے دلیل دعویٰ تحقیق کرنا حقیقی تحقیق کے خلاف اور حقیقت حال کے ادراک میں چشم پوشی کرنے پر مبنی ہے

ع وزیرے چنیں شہریارے چناں

اس سلسلے میں متعدد آیات و احادیث پیش کی جاسکتی ہیں جن میں اس قبیل کے افراد پر بالتصریح لعنت کی گئی ہے مگر اختیار مانع ہے البتہ بطور نمونہ صرف چند آیات و احادیث پیش خدمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْ

بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ

ترجمہ: بے شک جو ان چیزوں کو چھپاتے ہیں جو ہم نے روشن دلیلوں اور ہدایت سے نازل کی اس کے بعد بھی کہ ہم نے اپنی کتاب میں انہیں لوگوں کیلئے کھول کر بیان کر دیا، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ (پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت ۱۵۹)

ارشاد قدرت ہے: كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

ترجمہ: ایسی قوم کو اللہ تعالیٰ کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا اور وہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول ﷺ سچا ہے اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ (سورہ آل عمران آیت ۸۶۔۸۷)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ

ترجمہ: اس دن ظالموں کو ان کی عذرخواہی نفع نہ دے گی، ان کیلئے لعنت ہوگی اور (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا۔ (سورہ مومن آیت ۵۲)

ارشاد ہے: لعنة الله على الكاذبين (ترجمہ: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے)

لعنة الله على الظالمين (ترجمہ: ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے)

ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا

ترجمہ: جو لوگ اذیت دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۵۷)

کیا وہ لوگ جنہوں نے اہل بیت اطہارؑ سے جنگیں کیں، سالہا سال تک پورے عالم اسلام میں ہر قریہ ہر شہر کی مساجد پر مجلس میں، اور بالخصوص جمعہ وعیدین کے خطبات میں حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پاک پر سب وشتم اور لعنت کی بوچھاڑ کرتے رہے، جنہوں نے حسن و حسینؑ کو بڑی بے دردی سے شہید کرایا، جنہوں نے ائمہ اہل بیتؑ کو کربناک اذیتوں سے دوچار کر کے تاریک زندانوں کے آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈالا اور پھر انہیں زہر دلوا کر ہمیشہ کی نیند سلادیا، اس طرح نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو بے پناہ اذیتیں پہنچائیں۔

قارئین کرام آپ خود فیصلہ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والے انتہائی درجہ کے ''موذی'' ہیں یا نہیں؟

کوئی صاحب عقل وخرد اس سوال کا جواب نفی میں نہیں دے گا ان موذیوں کے نام بھی اسلامی تاریخ کے صفحات میں درج ہیں اب ہمیں یہ مدعیان تحقیق بتائیں کہ ان افراد پر نام لے کر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اب بھی ان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول علیہ الصلوۃ والسلام کیوں ان موذیوں پر لعنت کرتے ہیں؟ لہٰذا دشمنان اہل بیتؑ پر لعنت نہ کرنے سے انکار نص قطعی اور اس کی مخالفت لازم آتی ہے جو یقیناً کفر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ناصبیوں پر لعنت فرمائی ہے چنانچہ آپ نے مہاجرین وانصار سے مخاطب ہو کر فرمائی:

هذا اخی و ابن عمی و ختنی هذه لحمی و دمی و شعری هذا ابو السبطین الحسن والحسین سیدی شباب اهل الجنة هذه مفرج الکرب عنی هذا اسدالله و سیفه فی ارضه علی اعدائه فعلی مبغضه لعنة الله و لعنة الاعنین......الخ

''یہ میرا بھائی، ابن عم اور داماد ہے یہ میرا گوشت، خون اور بال ہے یہ جنت کے جوانوں کے سردار حسن وحسین سبطین کے باپ ہیں یہ مجھ سے مصیبتوں کو دور کرنے والا

ہے یہ اللہ تعالیٰ کا شیر ہے اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کی تلوار ہے پس اس سے بغض رکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس شخص سے بری ہے اور میں بھی اس سے بری ہوں، اور تم میں سے جو موجود ہے وہ غائب کو (یہ پیغام) پہنچا دے'' (الریاض النضرہ جلد اوّل صفحہ ۴۲)

یہ یاد رکھیے گا کہ حضرت علی علیہ السلام سے بغض رکھنے کا نام ناصبیت ہے اور ان سے بغض سے عناد رکھنا کفر ہے اس لیے کہ ان سے بغض بالواسطہ نبی کریم ﷺ سے بغض و عناد لازم آئے گا جو باعث کفر ہے تو اس بنیاد پر لعنت کا سبب کیونکر نہیں ہو سکتا۔

رہا یہ کہ ''یہود و نصاریٰ میں سے بھی کسی پر لعنت کو جائز قرار نہیں دیا'' بالکل خلاف قرآن ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ آیت ۸۸ میں خود یہودیوں پر ان کے کفر کے باعث لعنت کی ہے ارشاد ہے: بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے خود یہودیوں پر لعنت کی ہے اور مذکورہ بالا دو عظیم الشان حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی عمل بجالایا ہے ایک شخص نے کفر و ضلالت پر زندگی گزاری ہے اور مرتے وقت بھی یقیناً اسی مذہب پر قائم ہے دشمنی علی اور پھر اس پر لعنت کرنے میں کون سی بات خلاف تحقیق ہے؟ مزید تحقیق کیلئے استاذ عمر شاکر الکبیسی کی کتاب ''نصوص اللعن فی القرآن و اثرھا فی الاحکام الشرعية'' کا مطالعہ کیجئے حقائق واضح ہو جائیں گے۔

رجوع الی المطلوب:

تصریحات کی بالا کی روشنی میں نہ تو اس ناصبی کی یہ روایت قبول کی جا سکتی ہے اور نہ ہی یہ

شخص عزت وتکریم کے قابل ہے۔علاوہ بریں یہ روایت مسلّمات کے خلاف اور نواصب وخوارج کے موافق ہونے کی وجہ سے بھی نا قابل اعتبار ہے۔ مزید برآں قاضی عبدالحق بن غالب ابن عطیہ غرناطی فقیہ مفسر متوفی ۵۴۶ھ پورے شد ومد سے اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے اس روایت کے ذیل میں لکھا ہے: **هذا ضعيف** ''یہ روایت ضعیف ہے''۔

(المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز جلد ۲ صفحه ۵۱ طبع بيروت)

اب اس جھوٹی روایت کو حضرت علی علیہ السلام کی پاک ذات پر کیسے منطبق کیا جا سکتا ہے جو متعدد مفاسد کو مستلزم ہے اس میں دروغ بافی اور کذب بیانی کی انتہا کردی گئی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی کردار کُشی کے لیے پروپیگنڈہ

علاوہ ازیں عداوت علی علیہ السلام کی بنا پر خود اس راوی کے تصرف وادراج سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم یہ بات بلاشبہ ثابت ہے کہ یہ شخص اور اس کے ہم نظریہ اہل حکومت تو مسلسل حضرت علی علیہ السلام کی کردار کشی کیلئے پروپیگنڈہ میں معروف اور مذمت علیؑ میں جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کے لیے پورے شغف وانہماک سے کوشاں تھے حتیٰ کہ لعن وطعن سے بھی دریغ نہ کرتے، جس میں شک وشبہ کی ذرا بھر گنجائش نظر نہیں آتی جیسا کہ علامہ ابو الفتوح عبداللہ بن عبد القادر تلیدی اپنے عمدہ الفاظ میں اس طرح اس کی تصویر کشی کرتے ہیں:

.... في الاقاليم والامصار يسبون الامام علياً رضى الله تعالىٰ عنه ويلعنونه علىٰ المنابر في الجمع والاعياد والمجامع والمناسبات ويأمرون الناس بذالك وينكرون علىٰ من لم يلعنه وينل منه مضافا ذالك منهم الىٰ محاربته وقتاله السالف قبل ذالك وقد صحت الاخبار بما قلنا في دواوين السنة وكتب التاريخ

''ناصبی تمام صوبوں اور شہروں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کرتے تھے، جمعہ، عیدوں جامع مسجدوں اور دیگر مواقع پر منبروں پر سے حضرت علیؑ پر لعنت کرتے اور گالیاں دیتے

تھے دیگر لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے جو شخص حضرت علیؑ پر لعنت نہ کرتا اور گالیاں نہ دیتا اس کی مذمت کرتے تھے حالانکہ اس سے پہلے وہ ان (علیؓ) سے جنگ و جدال بھی کر چکے تھے، سنت (حدیث) کے دواوین اور کتب تاریخ میں ہمارے قول کی تائید میں صحیح روایات موجود ہیں''۔

مذکورہ بالا عبارت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل غیر مبہم ہے اس پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں، یہ تو ماضی کی تاریخ کا ایک ورق تھا جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے البتہ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض مولویوں نے ناصبی راویوں کو بچانے کی خاطر اس سب وشتم کے وقوع سے انکار کیا ہے۔ علامہ تلیدی اس بات کا ذکر کر کے چند ہی سطروں کے بعد ان کے جواب میں اس حقیقت کے وقوع پر اجماع اور اس کی صحت کا اثبات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

......رغم اجماع المورخين علىٰ وقوع ذالك وصحته فى دواوين السنة

''ان چند افراد کے انکار کے باوجود مؤرخین کا اس (حضرت علیؑ پر لعن، طعن کے) وقوع پر اجماع ہے اور حدیث کی کتب میں اس کی صحت ثابت ہوتی ہے''۔

(الانوار الباهره بفضائل اهل البيت النبوى والذرية الطاهرة صفحه ۲۴، ۲۵ طبع مكتبة الامام الشافعى الرياض السعودية)

ان ناصبی خونخوار بھیڑیوں کی یہ وحشیانہ وسنگدلانہ کارروائی ایسی تھی کہ جس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ ایک بہت بڑا دردناک المیہ ہے، جس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے جس کے تصور سے انسانیت لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ بقول اندلسی شاعر صالح بن شریف الرندی:

حتى المحاريب تبكى و هى جامدة حتى المنابر ترثى و هى عيدان

''محرابیں بھی گریہ و بکا کر رہی ہیں حالانکہ وہ جامد ہیں منبر بھی مرثیہ خواں ہیں جبکہ وہ بے جان لکڑیوں کے سوا کچھ نہیں''۔

حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی کے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد کے جارحانی خیالات کچھ نئے نہیں ہیں بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد اطہار کے خلاف یہ دھندہ

اور پروپیگنڈہ عروج پر رہا اور اب بھی جاری ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ناممکن ہے کہ طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ظلم و بربریت اور خون میں ڈوبی اس خوفناک داستان سے آج کے انسان کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ **و فعل بهم مالم يفعل في جميع الامم باشرار الخلق۔**

خارجیوں نے حضرت علی علیہ السلام پر شراب نوشی کا الزام لگایا

اسی پروپیگنڈہ کا معمولی حصہ یہ روایت ہے جس کا بنیادی راوی ناصبی دشمن علیؑ ہے مزید برآں اس روایت کے بارے میں امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ کا فیصلہ بھی سن لیجئے انہوں نے اس روایت کے ذیل میں صاف اور واضح الفاظ میں لکھا ہے: **ان الخوارج تنسب هذالسكر وهذه القرأة الى امير المومنين على بن ابى طالب دون غيره وقد برّاه الله منها فانه راوى هذا الحديث**

''خارجیوں نے شراب نوشی اور غلط قرأت پڑھنے کی نسبت حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی طرف کر دی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا، آپ تو صرف اس حدیث کے راوی ہیں''۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ طبع حیدر آباد دکن)

نیز امام حاکم نیشاپوری کی اس تحقیق کو علامہ شمس الحق عظیم آبادی متوفی ۱۳۲۹ھ نے سنن ابی داؤد کی مبسوط شرح ''عون المعبود'' جلد دوم صفحہ ۱۶۶۸ طبع سعودیہ حدیث نمبر ۳۶۷۱ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

روایت ترمذی کی فنی حیثیت

سنن ترمذی کی روایت کے ضمن میں یہ ملحوظ رہے کہ یہ روایت معیار صحت میں بالکل کمزور اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لیے دو باتیں لازمی دیکھی جاتی ہے ایک اس کا تدین کہ فاسق و فاجر اور کذاب تو نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ حافظہ کے اعتبار سے کیسا ہے نسیان کی کثرت، حافظہ کا خراب ہونا اور آخر عمر میں اختلاط، یہ سب علتیں اس راوی

میں نہ پائی جائیں۔

عطاء بن سائب:

چنانچہ اس سلسلے میں اس روایت کی سند میں ایک راوی عطا بن سائب ہے جو ۱۳۷ھ میں فوت ہوا، یہ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے روایت کرتا ہے اس پر کئی محدثین کی جرح منقول ہے اس ضمن میں حدیث کی تنقید و تحقیق کے لیے چند ماہرین فن کی آراء پیش کی جاتی ہیں ناقدین نے کہا کہ اس کا آخری عمر میں حافظہ خراب اور اختلاط کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا (الکواکب النیر ات لابن کیال صفحہ ۶۰، ۶۱، ۳۱۹ نیز تفصیل کے لیے مقدمہ ابن صلاح صفحہ) اس باب میں ارباب نقد و نظر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عطاء کا حافظہ ٹھیک نہ تھا اور حدیث نقل کرنے میں بہت غلطیاں کرتا تھا چنانچہ شعبہ بن حجاج کہتے ہیں حدثنا عطاء و کان نسیاً عطاء سے ہم نے حدیث کی سماعت تو کی مگر یہ نسیان کا مریض تھا (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۰۵) یحییٰ بن معین کہتے ہیں: لایحتج بحدیثہ ،اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا (تاریخ الدوری ج ۲ صفحہ ۴۰۳، میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۷، کشف الاحوال صفحہ ۷۷) و کان سیء الحفظ، اس کا حافظہ خراب تھا (کشف الاحوال فی نقد الرجال صفحہ ۷۷) احمد بن نجیح نے امام یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ امام یحییٰ فرماتے تھے: لیث بن ابی سلیم ضعیف مثل عطاء بن السائب "لیث بھی عطاء بن سائب کے مانند ضعیف ہے"۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۰۵) کیونکہ لیث بن ابی سلیم بُرے حافظے کی وجہ سے متروک ہے اسی طرح عطاء میں بھی یہی علت پائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عطاء بن سائب کی تحریر میں بھی اغلاط رہتے تھے چنانچہ عجلی نے کہا ہے: کان غیر صالح الکتاب ،عطاء کی تحریر درست نہ ہوتی تھی (تہذیب التہذیب)۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ جن راویوں نے اس سے عارضہ اختلاط سے پہلے حدیث سنی وہ صحیح ہے اور جنہوں نے بعد میں سنی وہ کچھ نہیں ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۷، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی جلد

۲ صفحہ ۱۷۶ رقم ۲۳۰۷ طبع مکۃ المکرمۃ) امام عجلی کہتے ہیں: فاما من سمع منه (ای عطاء بن السائب) بعد الاختلاط فھو مضطرب الحدیث "جس شخص نے عطاء بن سائب سے عارضۂ اختلاط کے بعد (کوئی روایت) سماعت کی ہے وہ مضطرب الحدیث ہے"۔ (تہذیب الکمال جلد ۱۳ صفحہ ۵۷ طبع بیروت، الجوہر النقی برحاشیہ السنن الکبریٰ للبیھقی جلد ۳ صفحہ ۳۸، ۳۹ طبع دکن، سیر اعلام النبلاء جلد ۶ صفحہ ۲۱۱ طبع بیروت) امام احمد بن حنبل کہتے ہیں مضطرب الحدیث راوی ضعیف ہوتا ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۵۷۵ طبع مصر)۔ اب جاننا یہ ہے کہ عطا بن سائب کی کون سی احادیث قبل از اختلاط وہم ہیں اور کون سی بعد از اختلاط، تو اس کے متعلق علماء کی کثیر تعداد نے ایک قاعدہ بنایا ہے کہ "حدث عنه سفیان و شعبة والفلاس وتغیر باخره وساء حفظه...... حدیثه ضعیف الاما کان عن شعبة وسفیان "مطلب یہ ہے کہ عطا سے سفیان، شعبہ اور فلاس نے روایت کی ہے آخرِ عمر میں تغیر ہو گیا اور اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اس سے مروی تمام حدیثیں ضعیف ہیں مگر وہ جس کو شعبہ اور سفیان نے نقل کیا ہو (میزان الاعتدال وتہذیب التہذیب وغیرہ)

اور بعینہٖ اسی طرح حافظ زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے نصب الرایہ جلد ۳ صفحہ ۵۸ طبع قاہرہ میں لکھا ہے: لکنه اختلط بآخر و جمیع من روی عنه فی الاختلاط الاشبعة و سفیان...... لیکن وہ آخر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گیا تھا اور تمام جنہوں نے اس سے روایت کی ہے اختلاط کے بعد کی ہے سوائے شعبہ اور سفیان ثوری کے۔ حافظ زیلعی حنفی نے منصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۷، ۴۷۶، جلد ۳ صفحہ ۵۸، ۲۶۴ میں عطاء بن سائب کا مجروح ہونا ثابت کیا ہے کذا فی! فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۴۰۹ طبع بولاق مصر، عمدۃ القاری باب الحوض جلد ۱۰ صفحہ ۶۹۱ طبع قسطنطنیہ وغیرہا۔

اس ضمن میں مزید کتابوں سے بھی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں تاہم اپنے مدعیٰ کے ثبوت کے لیے ہم نے جو یہاں نقل کی ہیں وہی کافی ہیں۔

معلوم ہوا کہ اگر شعبہ اور سفیان دونوں یا ان میں سے ایک عطا بن سائب سے روایت کر رہے ہوں تو وہ روایت صحیح قرار دی جاسکتی ہے کیونکہ وہ قبل از اختلاط ہے لیکن اگر ان دونوں میں ایک بھی نہ ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ روایت بعد از اختلاط کی ہے جسے ضعیف تصور کیا جائے گا کیونکہ مختلط کا اختلاط کے بعد روایت بیان کرنا علتِ قادحہ ہے۔ اگر معلوم نہ ہو سکے کہ عارضہ اختلاط سے پہلے کی ہے یا بعد کی، تو اس روایت پر حکم لگانے کے بجائے سکوت اختیار کیا جائے گا لیکن اس روایت سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

البتہ سنن ترمذی کی اس روایت کی سند میں نہ سفیان کا نام نظر آتا ہے اور نہ ہی شعبہ کا، تو اس ضابطے کے تحت یہ روایت بعد از اختلاط مروی ہے تو اس بنا پر سنن ترمذی کی روایت ضعیف و مردود قرار پاتی ہے۔ ذرا سوچیئے! کتنے افسوس کی بات ہے کہ کوئی کج فہم صرف اس من گھڑت روایت کے بل بوتے پر مولائے کائناتؑ کی ذات پاک پر افتراء و بہتان لگائے اور بغض و عناد کا اظہار کرے جو صریح کفر اور قیامت کے دن روسیاہی کا موجب ہے یہ اس کی اپنی بدبختی کا نتیجہ ہے۔

ع ایاز ! قدر خود بشناس

صحت روایت کے باب میں ترمذی متساہل ہیں

اگر معترض کہے کہ ترمذی نے اسے ''حسن وصحیح'' کہا ہے تو اس کے متعلق جواباً گذارش ہے کہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ حدیث کی نوعیت تو بیان کر دیتے ہیں لیکن یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ وہ روایت کو ''صحیح'' یا ''حسن'' قرار دینے میں بالاتفاق متساہل ہیں کیونکہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابوجعفر رازی تمیمی ہے جس کا پورا نام عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ماہان ہے جو ۱۶۰ ہجری کے حدود میں فوت ہوا یہ شخص مجروح ہے حافظ ابن حجر اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے اسے صدوق سيء الحفظ کہا، اور اصول حدیث کے تحت بُرے حافظے والے راوی کی روایت صحیح نہیں ہوتی، امام نسائی وعجلی نے ليس بالقوی کہا، زکریا ساجی نے صدوق لیس بمتقن کہا،

حافظ ابن فلاس نے ضعیف و سیء الحفظ کہا اور احمد بن حنبل نے لیس بالقوی فی الحدیث کہا اور ابوزرعہ نے شیخ یھم کثیرا کہا ہے
(ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۵۶۔۵۷ طبع دکن، التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی، جلد ۲، صفحہ ۳۳۹ طبع دہلی آثار السنن جلد ۲ صفحہ ۱۸ طبع لکھنؤ الجوہر النقی لابن ترکمانی جلد ۲ ص ۲۰۱)

امام ترمذی کی تحسین بلکہ تصحیح قابل تنقید ہے

لہٰذا ترمذی کی تحسین و تصحیح میں کلام ہے اگر چہ امام ترمذی نے صحیح یا حسن ہونے کی تصریح بھی کر دی ہو پھر بھی محققین ان کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے چنانچہ علامہ شمس الدین الذہبی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: و اما الترمذی فروی من حدیثه الصلح جائز بین المسلمین و صححه فلهذا لایعتمد العلماء علی تصحیح الترمذی، "ترمذی کی تصحیح پر علماء اعتماد نہیں کرتے"۔ دوسری جگہ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حسنه الترمذی مع ضعف ثلاثة فیه فلا یغتر تحسین الترمذی، "ترمذی کی تحسین سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۵۴، جلد ۳ صفحہ ۳۰۷) ترمذی کی تحسین کے قبول کی تو دور کی بات ہے بلکہ فقہ حنفیہ کی اہم کتاب "الھدایہ" کے شارح شیخ ابن الھمام وغیرہ نے متعدد مقامات پر امام ترمذی کی تصحیح کو بھی قبول نہیں کیا جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: وحدیث النعلین و ان صححه الترمذی فلیس بصحیح، "وہ حدیث جس میں ایک عورت کو صرف دو جوتوں کے مہر کے عوض میں نکاح کرنے کی اجازت دینے کا ذکر ہے صحیح نہیں ہے اگر چہ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے" (فتح القدیر شرح الھدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ طبع نولکشور)
مولانا شمس الحق عظیم آبادی اس سلسلہ میں ایک حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں امام ترمذی کی تصحیح و تحسین پر کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا (تعلیق المغنی جلد ۱ صفحہ ۲۲۲ طبع دہلی) مولانا شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے کہ محدثین امام ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے (فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۴۳۰) اسی طرح مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کہتے ہیں کہ امام ترمذی کی

تحسین پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ متساہل ہیں، ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی جلد ا صفحات ۲۰۴، ۲۲۰، ۲۲۸، ۳۷۶، ابکار المنن صفحات ۵۴، ۲۰۱ اور ۲۳۶ طبع دہلی۔

اسی طرح حافظ عبد العظیم منذری نے ''الترغیب والترھیب'' میں کہا ہے انتقد علیہ الحفاظ تصحیحہ لہ بل و تحسینہ، ''ترمذی کی تصحیح بلکہ تحسین پر بھی بڑے بڑے علماء نے تنقید کی ہے''۔

نیز اس سلسلہ میں حافظ ابن دحیہ محدث کا قول ''نصب الرایہ'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جن کو امام ترمذی نے ''حسن'' کہا ہے مگر علماء ان کو قابل احتجاج نہیں مانتے بلکہ جس حدیث کو امام ترمذی ''حسن'' قرار دیں ضروری نہیں کہ وہ حدیث خود امام ترمذی کے ہاں بھی ثابت اور قابل احتجاج ہو یہی وجہ ہے کہ وہ روایت کو صحیح یا حسن قرار دینے میں عندالمحدثین متساہل مشہور ہیں۔ اگر ہم مثالیں نقل کریں تو طوالت کا باعث بنیں گی اس لیے ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ بنابریں محولہ بالا روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچ سکتی۔

دوسرا جواب یہ کہ ممکن ہے امام ترمذی کی مراد محض تحسین سند ہو، کیونکہ اس سے بسا اوقات کسی روایت کی سند کا حسن یا صحیح ہونا اس کے حسن یا صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔

اس روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے

اس کے علاوہ خود متنِ روایت میں اضطراب اور صریح تخالف و تناقض ہے جس میں اصول حدیث کے قواعد کے تحت جمع و تطبیق متعذر ہے ایسا اختلاف بالاتفاق محدثین قدح و جرح کا موجب بنتا ہے چنانچہ اس دعوتِ طعام میں کبھی میزبان ایک نامعلوم انصاری کو بتایا جاتا ہے کبھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو میزبانی سونپ دی جاتی ہے پھر ان سے امامت بھی کروائی جاتی ہے کبھی کسی نامعلوم آدمی کو امام بتایا جاتا ہے اور کبھی راوی کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے نماز مغرب پڑھائی، اور اس سلسلے میں پائی جانے والی اکثر روایات میں حضرت علیہ السلام کا اسم گرامی سرے

سے ہی موجود نہیں ہے اب ان باتوں میں سے کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط؟

کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے   لائے ہیں بزم دوست یار خبر الگ الگ

سنن ابی داؤد کی روایت......

اگر سنن ابی داؤد کی روایت کو چند لمحات کے لئے تسلیم کر ہی لیا جائے کہ سفیان ثوری نے اسے قبل از اختلاط روایت کیا ہے پھر بھی سفیان کے بیان میں اضطراب اور شذوذ واعلال ہے وہ یہ کہ سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق بقول سفیان حضرت علی علیہ السلام نے امامت کرائی لیکن امام حاکم وذہبی کی روایت (جو خود ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہے) میں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے امامت کرائی ہے وغیرہ وغیرہ لہٰذا سفیان ثوری سے مروی ان دونوں روایتوں کی سند اور متن میں اضطراب ہے چنانچہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی متوفی ۱۳۲۹ھ اپنی معروف کتاب ''عون المعبود شرح سنن ابی داؤد'' جلد ۲ صفحہ ۱۶۶۸ طبع سعودی عرب میں اس روایت کی تشریح میں حافظ عبد العظیم المنذری متوفی ۶۵۶ھ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد اختلف فی اسناده و متنه واما الاختلاف فی اسناده فرواه سفيان الثوری و ابو جعفر الرازی عن عطاء بن السائب فارسلوه واما الاختلاف فی متنه ففی كتاب ابی داؤد والترمذی ما قدمناه وفی كتاب النسائی وابی جعفر النحاس ان المصلی بهم عبد الرحمن بن عوف وفی كتاب ابی بكر البزار امرّوا رجلا فصلی بهم ولم يسمه

''بلاشبہ اس روایت کی سند اور متن دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے سند میں اختلاف یہ ہے کہ سفیان ثوری، ابو جعفر رازی نے عطا بن سائب سے اُسے مرسل روایت کیا ہے اور اختلاف متن یہ ہے کہ ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابو جعفر نحاس کی روایت میں ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے امامت کرائی ہے جبکہ ابو بکر بزار کے مطابق انہوں نے ایک شخص کو امامت کرانے کا حکم دیا جس

کا نام معلوم نہیں ہوسکا"
(کذا فی؛ تحفة الاحوذی شرح الترمذی للمبارک پوری جلد۸ صفحہ ۳۷۴ طبع سعودیہ)
اس محولہ بالا عبارت سے یہ حقیقت مترشح ہوئی کہ اس روایت کے متن وسند دونوں میں شدید اضطراب ہے اصولِ حدیث کے ابتدائی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ مضطرب روایت ضعیف ہوتی ہے چنانچہ امام ابوذکریا یحیٰ نواوی متوفی ۶۷۶ھ بصراحت لکھتے ہیں: والاضطراب یوجب ضعف الحدیث "اضطراب حدیث کے ضعف کا سبب ہے" (تقریب مع الشرح تدریب الراوی صفحہ ۲۳۴) اور علامہ نیموی حنفی متوفی ۱۳۲۲ھ نے مضطرب روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے لا یصح الاحتجاج لا حد الفریقین "دونوں فریقوں میں سے کسی کے لئے (بھی) اس سے احتجاج کرنا صحیح نہیں ہے" (حاشیہ آثار السنن صفحہ ۱۲۵) جس روایت کی سند ومتن میں اتنا واضح اور غیر مبہم اضطراب ہو وہ ہرگز قابل احتجاج واستدلال نہیں ہوسکتی دیکھئے: الجوہر النقی جلد۲ صفحہ ۱۶۴، بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد جلد۲ صفحہ ۵۶ اور فتح الملہم شرح صحیح مسلم جلد۲ صفحہ ۲۶ وغیرہ۔

علی السبیل التنزل:

اگر کوئی شخص اس بات پر بضد ہو کہ یہ صورت اضطراب کی نہیں بنتی، تو چلیے چند لمحات کے لیے ہم تسلیم بھی کرلیں کہ اس روایت میں اضطراب نہیں پایا جاتا تو پھر بھی قابل قبول اور لائق اعتناء نہیں ہے اس لیے کہ اس میں خلیفہ راشد حضرت علی علیہ السلام کی توہین پائی جاتی ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت قطعی طور پر من گھڑت ہے جیسے کہ قبل ازیں عرض کیا جاچکا ہے کہ واقعہ ہذا محض ناصبی راویوں کی کارستانی ہے نیز اس روایت کو ابوبکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے مجمع الزوائد جلد۵ صفحہ ۵۰ روایت نمبر ۸۰۷۵ کتاب الاشربۃ میں ذکر کرنے کے بعد یہ جرح کی ہے رواہ احمد فیہ ابو نجیح ضعیف لسوء حفظہ "اسے امام احمد نے (مسند جلد۲ صفحہ ۳۵۱

پر) روایت کیا، اس میں ابونجیح راوی بُرے حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہے'' اور یہ روایت تفسیر ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۱۷۰ پر بھی موجود ہے۔ اب انصاف سے فرمایئے کہ ان تفصیلات کے بعد اس روایت کے عدم قبول میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

بہر کیف اہل سنت کی ممتاز علمی شخصیت امام حاکم نیشاپوری نے یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مستدرک میں نقل کی ہے مگر علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے ان روایات کے تحت اپنا فیصلہ یوں دیا ہے کہ جس روایت میں ذکر ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی اور قرآت میں غلطیاں کیں یہ روایت زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس روایت کے جس میں حضرت علیؓ کے امامت کرانے کا تذکرہ ہے اس سلسلہ میں دیکھئے تلخیص المستدرک للذہبی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ طبع دکن۔ یہ تو عندیہ تھا علامہ ذہبی کا۔ بہر طور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علی علیہ السلام پر زبانِ طعن و تشنیع دراز کرنے والے اور سیئ الحفظ اور مختلط و متغیر راوی سے توہین پر مبنی مروی روایت کو ''صحیح الاسناد'' کہنا دیانت و انصاف کا خون کرنا ہے۔

لہٰذا اس روایت کو بنیاد بنا کر مورخین اور مفسرین اپنی تالیفات میں اس کا ذکر کرتے رہے اور ڈاکٹر صاحب نے بھی حقائق سے آنکھیں بند کرتے ہوئے بلا تحقیق اس پر اعتماد کر کے اسی بات کو دہرایا ہے۔

علامہ البانی کی ''سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ'' سے غلط حوالہ:

رہا ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ ''دورِ حاضر کے محدث اعظم علامہ ناصر الدین البانیؒ نے بھی اپنی تالیف ''مجموعۃ احادیث الصحیحہ'' میں (حضرت علیؓ کی شراب نوشی کا واقعہ) شامل کیا ہے'' یہ ان کا افتراء اور سفید جھوٹ ہے چنانچہ ناصر الدین البانی متوفی ۱۴۲۰ھ کی تصنیف ''سلسلۃ الا حادیث الصحیحہ'' مطبوعہ الریاض جو گیارہ مجلدات پر مشتمل ہے ہمارے پیش نظر ہے انتہائی تتبع و تلاش کے باوجود ہمیں اس میں یہ روایت نہیں مل سکی یقیناً اس میں یہ روایت موجود نہیں بلکہ ڈاکٹر

صاحب کومغالطہ ہوا ہے شاید انہوں نے اصل کتاب دیکھنے کی تکلیف گوارانہیں کی تب ہی تو اس کا غلط حوالہ دیا ہے اور کتاب کا نام بھی صحیح نہیں لکھا۔ یہ بات ان کے زاویہ نگاہ میں ہونی چاہیے کہ عوام کو دھوکہ دینا انتہائی سنگین جرم ہے۔

اگر البانی صاحب نے اپنی کسی دوسری کتاب میں اس کی تصحیح کی ہے تو انہوں نے اشتباہ کیا ہے چونکہ انہوں نے بہت سی ضعیف روایات کو صحیح اور صحیح کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ ان کی کتب کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے مثلاً انہوں نے حدیث مُسّنہ کو ضعیف کہا جبکہ مسند ابی عوانہ میں سماع کی صراحت موجود ہے۔ البتہ انہوں نے اپنی اس ضخیم تصنیف میں کئی اوراق پر ہماری اس زیر بحث روایت کے ایک راوی عطاء بن سائب بن زید ثقفی کے عارضہ اختلاط میں مبتلا ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس کے علاوہ علامہ ناصر الدین البانی اپنی ایک اور کتاب ''صلوٰۃ التراویح'' صفحہ ۶۶، ۶۷ طبع الریاض میں ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ ''اس کی اسناد ضعیف ہے اس میں دو علتیں ہیں اوّل یہ کہ اس میں عطاء بن سائب ہے اس کا حافظہ خراب ہو گیا ہے دوسری یہ کہ حماد بن شعیب یہ نہایت ضعیف ہے......اس روایت سے نہ استشہاد صحیح ہے اور نہ ہی اعتبار کے لیے صالح ہے''۔

معلوم ہوا کہ البانی صاحب کے نزدیک عطاء بن سائب مجروح راوی ہے جس کی روایت ان کے ہاں بھی قابل استشہاد نہیں ہے۔

ایک اہم تاریخی واقعہ

اس سلسلے میں درج ذیل واقعہ بھی قابل توجہ ہے اس پر ذرا غور کیجئے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کے دورِ اقتدار میں ان کے بیٹے ابوشحمہ (جس کا نام عبدالرحمٰن تھا) نے شراب پی کر زنا کیا تو حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ علامہ شیخ حسین الدیار البکری (متوفی در حدود ۹۶۶ھ) لکھتے ہیں۔

"فقال ابو شحمه معاشر المسلمين من فعل فعلى فى جاهلية او اسلام فلا يحدنى فقام علی بن ابی طالب فقال لولده الحسن فاخذبيمينه وقال لولده الحسين فاخذ بيساره ثم ضرب ستة عشر سوطا فاغمى عليه ثم قال اذا دافيت ربك فقل ضربنی الحد من ليس لك فی جنبيه حد،

"ابوشحمہ نے کہا: اے گروہ مسلمین! مجھ پر وہ حد جاری نہ کرے جو میں نے (شراب نوشی و زنا) کیا ہے اس نے بھی وہ کام کسی بھی زمانے میں کیا ہو خواہ زمانہ جاہلیت ہو یا زمانہ اسلام (شراب اور زنا کا ارتکاب نہ کیا ہو) تو علی بن ابی طالب علیہ السلام اٹھے اور اپنے بیٹے حسن علیہ السلام کو حکم دیا امام نے اس کا دایاں ہاتھ پکڑا اور امام حسین علیہ السلام کو حکم دیا، انہوں نے ابوشحمہ کا بایاں ہاتھ پکڑا اس کے بعد امیر المومنین نے سولہ کوڑے مارے، ابوشحمہ غش کھا گئے، آپ نے فرمایا اے ابوشحمہ! اپنے رب سے کہنا کہ اس نے مجھ پر حد جاری کی ہے جس پر کبھی کوئی حد عائد نہیں ہوئی۔"

(تاريخ الخميس جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ مطبع وهبيه مصر ۱۲۸۲ھ)

اور یہی واقعہ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء جلد دوم صفحہ ۱۵۱ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸٦ھ وغیرہ کتب میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس واقعہ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے متواتر کہا ہے۔ (دیکھئے صفحہ ۱۴۹)

تقریب استدلال

سطور بالا میں بیان کیے گئے واقعہ پر تھوڑا سا ہی تدبر کر لیں تو عیاں ہو جائے گا کہ معاذ اللہ اگر امیر المومنین علیہ السلام نے کبھی ایسے قبیح افعال کیے ہوتے تو صحابہ کرامؓ کے اس بھرے مجمع میں کوئی ایک ضرور بولتا کہ اے امیر المومنین آپ بیٹھ جائیے کیونکہ آپ نے فلاں محفل میں شراب نوشی کی ہے مگر صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ایک بھی نہ بولا، لہٰذا صحابہؓ کا نہ بولنا اس امر کی قوی دلیل اور ناقابل تردید برہان ہے کہ آپؑ نے کبھی ایسا اقدام نہیں کیا۔ اتنے مجمع میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ

میں سزا دے سکتا ہوں بلکہ تمام صحابہؓ نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف مراجعت کی، تینوں باپ بیٹوں نے اسے سزا دی اب یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ ذوات مقدسہ ان گناہوں سے معصوم تھے۔ قارئین کے لیے اس روایت میں "من لیس لك فی جنبیه حد" کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں۔ **فافهم و تدبر**

تنبیہ

اگر چہ ہم نے اس زیر بحث روایت پر کافی حد تک نا قابل انکار دلائل سے جرح وقدح ذکر کر دی ہے جو ارباب دانش وبینش کے اذہان ویقین کے لیے کافی ہے تاہم اپنے قارئین کی مزید تشفی کے لیے ابن تیمیہ کی کتاب "منتقی الاخبار" کی مشہور ومتداول ضخیم شرح "نیل الاوطار" جلد ہشتم صفحہ ۱۹۴ کتاب الاشربۃ مطبوعہ قاہرہ کی طرف توجہ مبذول کرانا بھی از حد ضروری سمجھتے ہیں جو یقیناً قابل مطالعہ ہے جس میں علامہ قاضی محمد شوکانی نے اس توہین آمیز روایت کی شرح میں اس کا پُر زور الفاظ میں ردو ابطال کیا ہے۔

رہا یہ کہنا کہ "حرمت شراب کا حکم نازل ہونے سے پہلے مومنین نے جو کچھ کھایا پیا اس پر ان کی گرفت نہیں ہوگی" یہ عام لوگوں کیلئے ہے جو پہلے بت پرست اور بد کردار تھے پھر ایمان لائے اور بتدریج ان سے برائیاں چھڑائی گئیں، لیکن حضرت علی علیہ السلام بچپن ہی سے نہ بت پرست تھے نہ کسی طرح کی بدکرداری میں ملوث تھے بلکہ آپ تو منبر پر کھڑے ہو کر دعویٰ کرتے تھے "لَقَدْ صَلَّيْتُ قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِينَ" "میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔

حالانکہ تمام مسلمانوں کے لئے نماز کا حکم بعد میں نازل ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھل کر تبلیغ اسلام اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا آغاز کیا آپ کے اس ارشاد مبارک کی حقانیت پر اسلامی تاریخ کے صفحات کی ہر سطر اور ہر لفظ شاہد ہے۔ مختصر یہ کہ اس طرح کی بے بنیاد

روایت پر اعتماد کر کے حضرت علی علیہ السلام کی شانِ اقدس میں یہ گستاخی کرنا کہ وہ بھی عام مسلمانوں کی طرح حرمتِ شراب کی آیات نازل ہونے سے قبل شراب پیتے تھے بالکل لغو اور غلط ہے، مقامِ انصاف وغور ہے کہ جس شخصیت کو قرآن نے نفسِ نبی قرار دیا ہو اور خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اعلان طائف میں فرما چکے تھے علی کنفسی "علیؑ میری طرح ہے" اور دیگر مندرجہ بالا نہایت صاف اور صریح الدلالۃ حقائق کی رو سے وہ ہرگز شراب نوشی کا ارتکاب نہیں کر سکتے، لہٰذا اس طرح کے بے بنیاد واقعات کو بیان کرنا، ان کو اچھالنا اور ہوا دینا قطعاً نازیبا بلکہ ناجائز ہے۔ اس قسم کی باتیں عدل وانصاف اور علم وتحقیق کی دنیا میں درخورِ اعتنا نہیں ہیں۔ سچ ہے "لیس للباطل اساس" کہ باطل کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔

مکتوب بنام ڈاکٹر اسرار احمد:

ممتاز محقق اور ریسرچ اسکالر پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب جنہوں نے زندگی کا زیادہ حصہ عرب یونیورسٹیوں میں بطور پروفیسر گزارا ہے، بہت سی علمی کتابوں کے مصنف ہیں، تاریخ اسلام پر ان کی گہری نظر ہے۔

کراچی کے ایک متعصب ناصبی واعظ شاہ بلیغ الدین کے ہفوات کے رد میں "خانوادہ نبویؐ وعہد بنی امیہ حقائق واوہام" کے نام سے بھی ایک کتاب تصنیف کی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ ان کا ایک مکتوب گرامی، جو انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے کتابچہ "سانحہ کربلا" پر اسرار احمد کو ارسال کیا ہے، افادہ عام کی خاطر یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ (اس مکتوب گرامی کی کاپی ہمارے پاس محفوظ ہے)

مکرم ومحترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے آپ بصحت وعافیت ہوں گے۔ چند روز پہلے آپ نے ٹیلی فون کے ذریعے یاد کیا تھا اور فرمائش کی تھی کہ میں آپ کی بعض مرسلہ کتابوں اور خاص طور پر کتابچہ "سانحہ کربلا" پر اظہارِ خیال کروں۔ اتفاق سے میں یہ کتابچہ پڑھ ہی پایا تھا اور

اس کو پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کو اس حادثہ فاجعہ سے متعلق تاریخ کا امعان سے مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بہر حال اس سے خوشی ہوئی کہ "عاشوراء" کا املاء آپ نے صحیح لکھا جسے عام طور پر غلطی سے لوگ "عاشورہ" لکھتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ آپ نے بھی عام مصنفین کی طرح "سبَأ" کو غلط طور پر "سبائی" لکھا ہے۔ آپ تو قرآن کے ماہر ہیں اس کا درس دیتے ہیں، سورہ نمل میں آپ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاءٍ بِنَبَاءٍ يَقِيْنٍ ہی پڑھتے ہوں گے سباء اور بناء تو نہیں۔ قرآن میں جو سورۃ ہے وہ سورۃ سبأ ہے سباء تو نہیں۔ آپ شاید اس کو معمولی بات سمجھیں لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا اس طرح خطاء بھی غلط ہے۔ صحیح خطأ ہے یا اردو میں صرف خطا لکھا جائے۔ اسی طرح آپ نے قاتل سیدنا عمرؓ کے نام کا املاء عام اردو مصنفین کی طرح "ابولؤلؤ" لکھا ہے۔ عربی تواریخ میں صحیح املاء "ابولولوءۃ" ہے۔ عبداللہ بن سباء کا صحیح املاء بھی عربی تواریخ کے مطابق "ابن سبأ" ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ایک تاریخی غلطی آپ کا کربلا میں یزیدی فوج کے کمانڈر "عمر بن سعد" کو "عمرو بن سعد" لکھنا ہے۔ بہت سے اردو مصنفین یہ غلطی کرتے ہیں۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے دس بیٹوں میں سے دو کے نام عمر بن سعد اور عمرو بن سعد تھے۔ یہ موخر الذکر یزیدی افواج کے ہاتھوں واقعہ حرہ میں شہید کر دیئے گئے تھے اور عمر بن سعد کو عبدالملک بن مروان کے ابتدائی عہد میں یعنی یزید بن معاویہ کی موت کے ڈیڑھ سال بعد تحریک توابین کے زمانے میں عبید اللہ بن زیاد وغیرہ کے ساتھ قتل کیا گیا۔ مولانا بھوجیانی صاحب کو میں نہیں جانتا لیکن آپ نے جوان کا مضمون اپنے کتابچے میں شامل کیا ہے اس میں بھی دو تین مرتبہ غلط طور پر عمرو بن سعد لکھا ہے۔ جس روایت کا انہوں نے ترجمہ کیا ہے وہ تاریخ طبری میں ہے اور اس میں عمر بن سعد ہی ہے۔ موصوف نے ایک اور سخت غلطی کی ہے کہ عہد معاویہ اور عہد یزید کے ایک مشہور عیسائی کاتب (سیکرٹری) کا نام انہوں نے دو مرتبہ سرحون لکھا ہے (ص ۴۲،۴۳) صحیح نام سرجون (ج سے ہے، حاء سے نہیں) اور یہ یزید کا آزاد کردہ غلام نہیں تھا بلکہ یزید کے والد معاویہ کا ایک اہم سیکرٹری اور مستشار تھا (ملاحظہ ہو تیسری صدی ہجری کے خلافت

عباسیہ کے ایک دفتری عہدیدار، مصنف ابن عبدوس الجشیاری کی کتاب ''الوزراء والکتّاب'' یہ تو ناموں کی اور املاء کی اغلاط تھیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کتابچے میں بہت فحش علمی اغلاط بھی ہیں۔ میں جتنا بھی آپ کے اس کتابچے کو پڑھتا ہوں مزید اغلاط سامنے آتی ہیں۔ مثال کے طور پر ص ۳۴ پر آخری سطور میں آپ نے مزید کی۔ ولی عہدی کی بیعت کے موضوع پر لکھا ہے ''جب ولی عہدی کی بیعت کا مسئلہ مدینہ منورہ میں پیش ہوا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وہاں سے چلے گئے حضرت حسینؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ چند حضرات کی رائے یہ تھی کہ مکہ مکرمہ Strong Hold بنایا جائے اور اس ولی عہدی کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے کیلئے اپنی قوتوں کو مجتمع کیا جائے ابھی اس سلسلے میں کوئی مؤثر کام شروع نہیں ہوسکا تھا کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اور بحیثیت ولی عہدی حکومت یزید کے ہاتھ آ گئی۔

اس عبارت کا ایک ایک لفظ تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ تو حضرت معاویہ کی وفات سے نو سال قبل طے ہو چکا تھا جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''خانوادہ نبوتؐ و عہد بنی امیہ'' میں امام بخاری کے استاد اور انتہائی قدیم مؤرخ خلیفہ بن خیاط (وفات ۲۴۰ھ) کی کتاب تاریخ خلیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ بیعت بزور قوت وحیلہ ۵۱ھ میں مکہ میں لی جا چکی تھی (تاریخ خلیفہ بن خیاط، تحقیق الدکتور اکرم ضیاء العمری ص ۲۱۳، ۲۱۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت طبعہ ثانیہ ۱۹۷۷) آپ اس کتاب میں پڑھیں گے (اگر عربی پڑھنے پر قادر ہیں اور عربی تصنیفات سے رجوع کرتے ہیں) کہ معاویہ ۵۱ھ کے حج پر مکہ جاتے ہوئے پہلے مدینہ آئے تھے جہاں انہوں نے یزید کے خلاف کا حقدار ہونے کی بات کی تھی پھر وہ مکہ آئے لیکن ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل عبداللہ ابن زبیرؓ، عبداللہ ابن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر مکہ روانہ ہو گئے تھے۔ حضرت حسینؓ بھی ساتھ ہی نکل گئے تھے اور مکہ میں معاویہ نے ایک ایک کو بلا کر ولی عہدی کی بات کی سب نے مختلف طریقوں سے مخالفت کی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے الفاظ بڑے سخت تھے پھر انہوں نے ان حضرات کو دھمکی دی اور ان کے سروں پر پولیس کھڑی کر دی کہ اگر کچھ بولیں

ڈ ان کا سر اڑا دیا جائے اور سب کے سامنے حرم شریف میں اعلان کر دیا کہ ان حضرات نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی ہے حالانکہ انہوں نے نہیں کی تھی وہ جان کے خوف سے خاموش رہے تھے۔ اس طرح زبردستی بیعت کا اعلان کر کے مدینہ اور وہاں سے شام روانہ ہو گئے۔ مدینہ میں یہ بتایا تو باقی لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ یہ ہے وہ بیعت جس کو آپ نے لکھا ہے کہ سارے صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔ معاویہ نے اس طرح اسلام میں ملوکیت کی ابتداء ڈال دی۔ یزید کی ولی عہدی کا یہ قصہ تاریخ طبری اور البدایہ والنھایۃ میں بھی ہے مگر جس تفصیل اور جن مستند اسناد (ثقہ محدثین) کے ساتھ تاریخ خلیفہ بن خیاط میں ہے ان دونوں تواریخ میں نہیں۔ تاریخ ابن الاثیر میں بھی کافی تفصیل ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان میں ناصبی لوگ یا وہ لوگ جو ناصبیت سے متاثر ہیں یا وہ لوگ جو صحابہ صحابہ کی دہائی دیتے ہیں وہ یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ ان کے جہل کا یہ عالم ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیت **لا یستوی منکم من انفق قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقو من بعد و قاتلوا**

والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار میں بھول جاتے ہیں اور سورہ الفتح کی آیت **لقد رضی الله عن المومنین اذیبایعونك تحت الشجر .... الخ** بھی اور آپ نے تو قاتل حسینؓ عمر بن سعد کو بھی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بیٹے ہونے کے ناطے لائق احترام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ آپ اگر تاریخ میں پڑھیں گے تو پائیں گے کہ خود یہ جلیل القدر صحابیؓ اپنے اس بیٹے سے اس کی جاہ پسندی اور سخت گیری کی وجہ سے خوش نہیں تھے اور اس نے ایران کے صوبے الرّے واھواز کی لالچ ہی میں یہ ناگوار اور مجرمانہ مہم قبول کی تھی، عبیداللہ بن زیاد نے اس کو منصب سے محروم کرنے کی جو دھمکی دی تھی وہ شاید آپ کو معلوم ہو۔ حیرت کا مقام ہے کہ آپ نے یزید کو متعدد بار ''امیر یزید'' لکھا ہے اور یہی لقب معاویہ کیلئے بھی۔ آپ کو علم ہوگا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایسے شخص کو جس نے ان کے سامنے یزید کو امیر المومنین کے

لقب سے یاد کیا تھا' بیس کوڑے لگوائے تھے۔ص ۶ پر یہ درست نہیں لکھا گیا ہے کہ "ہمارے دین میں شہادت کوئی رنج وغم والی بات نہیں" آپ کو غالباً معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کو حضرت حمزہؓ کی شہادت پر کتنا غم ہوا تھا اور آپ نے اس غم میں فرمایا: "و حمزة لا بواکی لها" اور آپ نے قاتل حمزہ وحشی سے اس کے مسلمان ہونے کے بعد کہا تھا کہ میرے سامنے کبھی نہ آنا حالانکہ الاسلام یجبّ ما قبله اس کے بعد آپ نے حضرت سمیہؓ اور حضرت یاسرؓ وغیرہ کی شہادت کا ذکر کر کے سیدنا حسینؓ کی شہادت کے المناک واقعہ کی غیر معمولی نوعیت اور سفا کی کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت یاسرؓ کی شہادت کی جو تفصیل Sophisticated (غلط استدلال۔ باطل تاویل) آپ نے لکھی وہ سیرت ابن ہشام۔ طبقات ابن سعد۔ الاصابہ۔ سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں نہیں۔ یہ درست ہے کہ محرم اور خاص طور پر عاشوراء کے دن جو ماتم وسینہ کوبی اور رسم تعزیہ وغیرہ کی جاتی ہے یہ سب غلط اور ناجائز ہے لیکن آپ نے دوسرے صحابہ کی شہادت اور بعض رشتہ داروں کا ذکر کر کے سیدنا حسینؓ کی شہادت کے غم کو بے معنی قرار دینے کی کوشش جو کی ہے وہ افسوس ناک ہے۔ ہمارے قدیم سنی مصنفین نے تو اس کو بہت غمناک واقعہ ہی قرار دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ پر محمود عباسی کی پُرفریب کتاب کا بہت اثر ہے یہ بڑی بیہودہ اور فتنہ انگیز کتاب ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ اور معاویہ کے مابین اختلاف کے سلسلے میں معاویہ کے دفاع میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس تأثر کا ثبوت ہے۔ آپ یہ سب کچھ لکھتے وقت کبار اہل سنت قرطبی اور حافظ ابن کثیر کا فیصلہ فراموش کر گئے ہیں کہ "کان علیا مصیباً فی هذا الخلاف" اور امام قرطبی نے تو لکھا ہے "فتقرر عند علماء المسلمین و ثبت بدلیل الدلیل الدین ان علیا رضی الله عنه کان اماما و کل من خرج علیه باغ. وانّ قتاله . یعنی الخارج. واجب حتی یفئ الی امر الحق وینقاد الی الصلح (ج ۱۶، ص ۳۱۸ تفسیر آیت سورۃ الحجرات) پھر آپ کو صحیح بخاری و مسلم کی وہ حدیث نبوی ﷺ بھی یاد ہوگی جو حضرت عمارؓ کے بارے میں ۳۱ صحابہؓ سے مروی ہے۔ تقتلك الفئة الباغية اور یہ فیئہ باغیہ وہ ہے جو

صفین میں معاویہ کے ساتھ تھا اور اس پر حضرت عمرو بن العاص نے احساس خطا کے ساتھ معاویہ سے جب یہ حدیث کہی تھی اور اس کا غلط جواب سنا تھا وہ بھی آپ کو یاد ہوگا لیکن آپ اس سب سے صرف نظر کر گئے ہیں۔ آپ نے اس موقع پر اور بیعت یزید کے متعلق صحابہ کی جو بحث چھیڑی ہے وہ ناقص ہے۔ صحابہ کے معنی اس حدیث نبوی ﷺ میں بیان ہوئے ہیں جو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت خالد بن ولید کے باہمی جھگڑے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی شکایت پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی۔ آپؐ نے حضرت خالد بن ولید سے کہا تھا "أتركوني و أصحابي" اس طرح اصل صحابہؓ تو السابقون الاولون من المہاجرین والانصار ہیں۔ وہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے وہ تو طلقاء کہلاتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے معاویہ کو طلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں لکھا ہے۔ پھر صحابی تو عبداللہ الحمار۔ بسر بن ابی ارطاۃ اور ابوالغادیہ وغیرہ بھی تھے۔ ان کے افعال غالباً آپ کو معلوم ہوں گے۔ آپ کے اس کتابچے سے یزید کیلئے نرم گوشہ نظر آتا ہے۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔ مسند احمد۔ نسائی اور ابن حبان میں حضرت سائب بن خلاد کی حدیث ہے۔ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من اخاف اهل المدينة. اخافه الله و عليه لعنة و الملائكة و الناس اجمعين. آپ کو یہ حدیث امام ذہبی کی سیر اعلام النبلاء (۳:۳۲۴) میں بھی مل جائے گی اور بھی اس مضمون کی احادیث البدایہ والنہایۃ میں ہیں۔ اسی طرح واقعہ حرہ اور اس میں فظائع کا جو ارتکاب ہوا وہ یزید پر لعنت کیلئے کافی ہے۔ امام ابن الجوزی نے تو یزید پر لعنت کے جواز میں کتاب لکھی ہے۔ آپ نے سانحہ کربلا پر تو بہت کم لکھا ہے دوسری باتیں زیادہ ہیں۔ مولوی بھوجیانی صاحب کا مضمون جو آپ کے کتابچے میں شامل ہے اس مضمون میں تو بڑی بھونڈی اغلاط ہیں۔ انہوں نے عمار دھنی کی امام محمد باقرؒ کی اس مختصر روایت میں تحریف کی ہے۔ صحیح روایت آپ کو تاریخ طبری میں ملے گی۔ آپ کے تو تنظیمی معتقدین و مدیرین ہیں۔ کتابچے کے مندرجات کو حقائق سمجھتے ہوں گے۔ کاش آپ یہ کتابچہ نہ لکھتے۔ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ صاحب مؤلف لغات القرآن وغیرہ ایک محقق

عالم تھے ان کے رسائل اور خاص طور پر ''یزید اہل سنت کی نظر میں'' پڑھیے اور قاری محمد طیبؒ صاحب دیوبندی کی ''یزید اور شہید کربلاؓ''۔شاید آپ کے افکار میں تبدیلی لائے۔خط بہت لمبا ہو گیا ہے۔آپ کی فرمائش نہ ہوتی تو شاید میں یہ سب کچھ نہ لکھتا۔

والسلام

رضوان علی ندوی۔کراچی

قاضی الحاجات کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ سب کو حق تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے،اور اس کتاب میں پیش کیے گئے حقائق سے بیش از بیش مستفیض و مستفید فرمائے۔آمین

وما علینا الا البلاغ

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۴)

اس سلسلہ میں بدرالدین عینی نے علامہ داؤدی کا قول لکھا ہے:

بئس ما قال ابو عبدالرحمن

''ابوعبدالرحمٰن نے ناپسندیدہ اور بری بات کہی ہے'' (جلد ۷ ص ۱۱۴)

اسی طرح علامہ قسطلانی (المتوفی ۹۲۳ھ) کہتے ہیں:

وھذہ العبارة فیھا سوء ادب

''ابوعبدالرحمٰن سلمی کا یہ جملہ سوءادب اور گستاخی ہے۔

(ارشادالساری شرح البخاری جلد ۵ ص ۱۸۵ المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ مصر ۱۳۰۴ھ)

ان کے علاوہ صحیح بخاری کے مشہور وقدیم شارح علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک المعروف بابن بطّال البکری القرطبی (المتوفی ۴۴۹ھ) نے تحریر کیا ہے:

وقول ابی عبدالرحمن ''انی لأعلم ما الذی جرأصاحبك علی الدماء'' ظن منه لان علیا علی مکانته من الفضل والعلم لایقتل احدًا الا بالواجب

ابوعبدالرحمٰن سلمی کا کہنا کہ

'' تیرے صاحب کو خون ریزی کرنے کی جرات جس وجہ سے ہوئی اس کو میں جانتا ہوں'' اس کا اپنا خیال ہے، حضرت علیؓ تو علم وفضل کے بہت بلند مقام ومرتبہ پر فائز تھے وہ بلاوجوب شرعی کسی کو قتل نہیں کرتے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۰ طبع مکتبۃ الرشد الریاض هكذا فی: منحة الباری للشیخ زكریا انصاری ج٦ ص ۱۹۳)